مضامینِ لطیفہ

* از قلم *

عبداللطیف بہاولپوری فاضل دیوبند

سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ

عبداللطیف بہاولپوری

مجموعہ مضامین لطیفہ

کے متعلق

بزرگانِ سلسلہ کی آراء

۱۔ حضرت محترمہ سیدہ مریم صدیقہ مدظلہا حرم محترمہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ فرماتی ہیں۔

میں نے مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری کے مضامین لطیفہ پڑھے ہیں بہت دلچسپ اور ایمان افروز واقعات پر مشتمل ہیں خصوصاً آپ کا احمدیت قبول کرنے کا واقعہ۔ ہماری نئی نسل کے لئے ایسے واقعات و مضامین یقیناً بہت مفید ثابت ہوں گے۔

۲۔ حضرت محترم قاضی محمد اسلم صاحب ایم، اے پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ سابق صدر شعبہ نفسیات پنجاب یونیورسٹی لاہور فرماتے ہیں۔

"مضامین لطیفہ مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ کے مضامین کا مجموعہ ہے۔ مولوی صاحب موصوف ہمارے نہایت ہی قابل احترام۔ خاموش۔ درویش طبیعت۔ علم اور عمل اور قال اور حال میں یکساں قسم کے سکالر ہیں بعض سورتوں کی تفسیر شائع کر کے جماعت

میں ٹھوس شہرت حاصل کر چکے ہیں ہمیشہ کسی نئے مضمون پر ہاتھ مارتے ہیں
یا کسی پرانے مضمون کو نئے انداز سے بیان کرتے ہیں۔ اس مجموعہ مضامین کے
شروع میں آپ نے احمدی ہونے کی داستان درج فرمائی ہے جو ان کے نفسیاتی
اور روحانی تجارب اور خدا تعالیٰ کی دستگیری کا ایک عجیب بیان ہے۔ پھر
چھوٹے بڑے مضامین درج ہیں جو پہلے سلسلہ کے رسائل میں شائع ہوتے
رہے ہیں۔ ان مضامین کو پڑھ کر روحانی لذت حاصل ہوتی ہے۔ مضامین
کیا ہیں؟ اعجاز قرآن۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی اور آپ
کے فرزند جلیل مسیح موعود علیہ السلام کے افاضات روحانی کی ایک زندہ اور
چمکتی ہوئی دلیل۔ اور حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کی لذیذ اور معطر تفصیل
کہ قرآن شریف صرف قصہ گو نہیں بلکہ اس کے ہر قصہ کے نیچے ایک پیشگوئی
ہے۔ روحانیت کی تشنگی سرحدوں میں داخل ہو کر ایک حقیقت شناس بیدار
عاشق اور عارف دور از قیاس اور دور از کار دعاوی اور قیاسات
سے دامن بچاتے ہوئے اور حقیقت اور یقین کی حدود قائم رکھتے ہوئے
روحانی تصویر کا ابلاغ کر سکتا ہے۔ فاضل مصنف اس میں حیرت انگیز
حد تک کامیاب ہے۔ ان کے لہجے کی متانت زبان و بیان کا اعتدال
اور دعاوی ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے۔ متعدد مقامات
ایسے آئے جن سے گذرتے وقت مصنف کے لئے دل سے دعا نکلی۔ میری
رائے میں یہ کتاب ہر احمدی کو پڑھنی چاہیئے۔ ہر غیر احمدی کو بھی تا یہ امر
کھل جائے کہ جماعت احمدیہ اس روحانی ورثے کی امین اور مالک ہے

جس کی تفہیم اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے مبارک دور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے خلفاء کے ہاتھوں مقدر ہو چکی ہے۔"

۳۔ محترم مولانا ابوالعطاء صاحب مبلغ بلاد عربیہ و سابق پرنسپل جامعہ احمدیہ حال ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد تحریر فرماتے ہیں۔

"مضامین لطیفہ ایک عمدہ مجموعہ ہے۔ ان میں سے بعض مضامین کو قبل ازیں الفرقان میں شائع کرتے وقت پڑھ چکا ہوں۔ میری رائے یہی ہے کہ یہ مضامین مفید ہیں اللہ تعالیٰ ناشر صاحب کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

۴۔ محترم مولانا نذیر احمد صاحب مبشر سابق امیر و مبلغ انچارج غانا مغربی افریقہ تحریر فرماتے ہیں۔

"میں نے مضامین لطیفہ شروع سے آخر تک پڑھے ہیں۔ یہ مضامین نہایت ہی دلچسپ اور معارف و غوامض پر مشتمل اور اچھوتے رنگ میں بیان کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولوی صاحب موصوف کو جزائے خیر سے نوازے۔"

۵۔ محترم مولانا محمد شریف صاحب مبشر اسلام بلاد عربیہ و مغربی افریقہ فرماتے ہیں۔

"یہ مجموعہ نکات لطیفہ اور دقائق حکمیہ پر مشتمل اور علوم روحانیہ کے بعض نمونے اپنے اندر رکھتا ہے۔ طالبان حقائق و دقائق کو ان سے ضرور استفادہ کرنا چاہیئے۔"

۶۔ محترم مولانا شیخ مبارک احمد صاحب سابق رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ حال سیکرٹری فضل عمر فاؤنڈیشن ربوہ تحریر فرماتے ہیں۔

"مضامین لطیفہ کے اکثر مضامین کا خاکسار نے بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔ محترم مولانا عبداللطیف صاحب بہاولپوری کا ایک خاص علمی و روحانی ذوق ہے جس میں تصوف کی آمیزش ہے۔ یہ سارے مضامین اسی ذوق کا نتیجہ ہیں۔ نہایت عمدہ حقائق۔ دقیق معارف کو بہت خوبی سے بیان کیا ہے اور عام فہم انداز میں قرآن کریم کی بعض آیات کی ان مضامین میں بہت لطیف تفسیر ہے اور صداقت احمدیت پر یہ مضامین ایک اچھوتے انداز میں روشنی ڈالتے ہیں۔

خاکسار نے ان مضامین کے بعض حصوں سے بہت حظ اٹھایا ہے۔"

۷۔ محترم ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ و پروفیسر جامعہ احمدیہ تحریر فرماتے ہیں۔

محترم مولانا عبداللطیف صاحب بہاولپوری ایک عالم باعمل بزرگ ہیں۔ روحانی اور علمی مضامین کے بیان کا ایک خاص ملکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ودیعت فرمایا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب آپ کے ایسے ہی مفید دلچسپ مضامین کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً سلسلہ کے مختلف اخبارات اور رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس مجموعہ میں سب سے پہلے قبول احمدیت کی ایمان افروز داستان ہے جس سے ہدایت الٰہی کی شان ظاہر ہوتی ہے کہ وہ کس طرح جسے چاہتا ہے۔ مخالف حالات کے باوجود اس کے لئے اپنی رضا اور ہدایت کے سامان پیدا کر دیتا ہے۔ اس ابتدائی دلچسپ مقالہ کے بعد موضوع بدلتا ہے۔ مختلف پیشگوئیوں کو

زیر بحث لایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے علم غیب کی کن راہوں کو وا کیا ہے ۔ "حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ کا ذکر قرآن مجید میں" ۔ "تمثیل دجال کا ذکر سورہ بقرہ میں" وغیرہ دلچسپ روحانیت بھرے مضامین کے بعد عملی زندگی سے تعلق رکھنے والے چند مقالے ہیں ۔ ایک میں تحویل قبلہ کی حکمت اور فلاسفی کو بیان کیا گیا ہے پھر سورۃ النصر کے معارف لطیفہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے عورتوں کا اجتماعی دینی زندگی میں کیا حصہ ہے اس موضوع پر قلم ڈال دیا ہے ۔ بغرض یہ کتاب دلچسپ اور روحانیت افروز معلومات کا مجموعہ ہے ۔ اس کا مطالعہ علم بھی بڑھاتا ہے اور روح کی بالیدگی کا بھی باعث بنتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ مولانا المحترم کو صحت و عافیت کے ساتھ اپنی رضا کے اعلیٰ کارنامے سر انجام دینے کی توفیق مزید عنایت فرمائے اور ہم سب کے لئے اپنے فضل کی راہیں استوار کر دے ۔ آمین "

۸ ۔ محترم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ سابق امام مسجد لندن فرماتے ہیں ۔

"کتاب مضامین لطیفہ اسم بامسمّٰی اور فی الواقعہ نہایت عمدہ اور معلومات افزا مضامین کا مجموعہ ہے اور نہایت مفید ہے ۔

۹ ۔ محترم ابو المنیر مولوی نور الحق صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ و مینجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین ربوہ تحریر کراتے ہیں ۔

"میں نے مضامین لطیفہ کا مجموعہ جو استاذ ذی المکرم حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب

کی تصنیف ہے پڑھا ہے۔ حضرت مولانا کے پرلطیف مضامین اخبارات
اور رسالوں میں چھپتے رہے ہیں۔ اب آپ نے ان کو کتابی رنگ میں شائع
کیا ہے۔ مضامین کی ابتدا میں آپ نے قبول احمدیت کی دلچسپ داستان
بیان فرمائی ہے۔ باقی مضامین قرآن مجید کی مختلف آیات کی لطیف تفسیر
میں حضرت مولوی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے حقائق کا بڑا
حصہ عطا فرمایا ہے۔ اور ایسا ذہن عطا فرمایا ہے جو قرآن مجید کے
معارف کو اخذ کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے آپ کو خاص
حصہ ملا ہے۔ یہ مجموعہ اس قابل ہے کہ ہر ایک قرآن مجید کا عاشق اسے مطالعہ
کرے اور قرآن مجید کے معارف سے لطف اندوز ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ
وہ اس کتاب کو ہر لحاظ سے بابرکت کرے۔ آمین ؔ

۱۰۔ مکرم مولوی دوست محمد صاحب شاہد مؤلف تاریخ احمدیت لکھتے ہیں۔
رب جلیل نے حضرت مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اٹھاسی ۸۸ برس پیشتر
بشارت دی تھی کہ "تیری امداد وہ کریں گے جن کے دلوں میں ہماری طرف سے
الہام کیا جائیگا۔ نیز فرمایا تھا کہ آپ کے ماننے والے علم و معرفت میں کمال
حاصل کریں گے" خدا تعالیٰ کے ان پاک وعدوں کے مطابق آج تک ہزاروں
لاکھوں نشان ہدایت احمدیت کیلئے ظاہر ہوئے۔ ان میں مؤلف "دستور الارتقاء"
و مرتب "تذکرہ" استاذی المحترم مولانا عبد اللطیف صاحب فاضل بہاولپوری کا
وجود گرامی بھی ہے۔ یہ کتابچہ (جو آپ کے قلم سے نکلے ہوئے پندرہ نہایت پر معارف
اور عالمانہ مضامین کا مجموعہ ہے) اس حقیقت پر شاہد ناطق ہے۔ جناب الٰہی

کے حضور عاجزانہ دعا ہے کہ وہ ان بیش قیمت اور بلند پایہ مضامین کو قرآنی انوار و برکات کی اشاعت کا موثر ذریعہ بنائے۔ اور مولانا صاحب موصوف کو لمبی عمر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین "

فہرست مضامین لطیفہ

نمبر شمار	مضامین	صفحہ

تصحیح اغلاط مضامین لطیفہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۲	۷	دما	دما کادو ایفعلون	۱۰۴	۱۳	امداد	اعدار
،،	آخری سطر	مکاشفہ	مکاشفہ یوحنا	۱۱۱	۱۱	لا نظع	لا تقطع
۶۴	۱۵	رہی	وہی	،،	۱۵	لقوم	تقوم
۶۵	۲	جن کی رو	جن کی رو سے	۱۱۶	۱۵	ارتقار	ارتقاء
۸۰	۱۳	مقصد	مقصود	۱۱۷	۲	تعارہ	نظارہ
۹۳	۱۳	کردیں گے	کردو گے	۱۶۶	۱۳	خمدّ	فمدّ
۹۷	۱۲	لولا هدانا	لولا ان هدانا				

قیمت کاغذ اعلیٰ ۰۔ ۲ روپے ؛ ادنیٰ ۵۰۔ ۱ روپیہ ۔ الشرکۃ الاسلامیہ علاوہ ہر دکاندار سے مل سکتی ہے ۔

مضامین لطیفہ
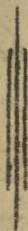
از قلم

عبداللطیف بہاولپوری فاضل دیوبند

سابق پروفیسر جامعہ احمد پور

تعارف

خاکسار کے مضامین جو اخبار الفضل اور متعدد رسائل ریویو آف ریلیجنز اردو۔ الفرقان۔ خالد۔ و مجلۃ الجامعہ میں مختلف اوقات میں شائع ہوتے رہے۔ دوستوں کی طرف سے تقاضا تھا کہ انہیں کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ بلکہ بعض احباب تو اس کے اخراجات طبع کا بوجھ بھی اپنے ذمہ لینے کے لئے مستعد ہو گئے تھے۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ پس ان کی اس نیک خواہش کی تکمیل کی خاطر ناظرین کی خدمت میں یہ تحفہ پیش کیا جاتا ہے۔ اگر پسند خاطر ہو تو احقر کو اپنی خاص دعاؤں میں یاد فرمائیں۔ ممنون ہوں گا۔ والسلام

خاکسار

عبد اللطیف بہاولپوری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْد

میری قبولِ احمدیت کی داستان

مجھے ابتدائے عمر سے احمدیت کے خلاف ہمیشہ ایسی باتیں سننے میں آئیں جن کی وجہ سے دل میں سلسلہ کے خلاف شدید نفرت پیدا ہوگئی۔ یہاں تک کہ خدمت میں دعائیں بھی اس قسم کی کی جاتیں کہ الٰہی کسی مرزائی (احمدی) کی شکل تک نظر کے سامنے نہ آئے۔ خاکسار نے دارالعلوم دیوبند میں نصاب تعلیم کی تکمیل کی۔ بعد فراغت تعلیم جب گھر واپس آیا تو ایک دفعہ میرے والد صاحب مرحوم و مغفور نے مجھ سے دریافت کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں۔ تو جھٹ اسی پرانے عقیدے کی بنا پر یہ جواب دیا کہ زندہ ہیں اور کہا کہ اہل سنت والجماعت کا یہی اجماعی عقیدہ ہے۔ حالانکہ اس مسئلہ کے متعلق کبھی خود تحقیق نہیں کی تھی پرانا عقیدہ دل میں اس قدر راسخ تھا جس کی وجہ سے تحقیق کی طرف توجہ دینا بھی فضول سمجھتا تھا۔ اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اس ورطۂ ضلالت سے نکالنا چاہا تو اپنی صفت رحمانیت کے ماتحت میری ہدایت و راہنمائی کا سامان بھی عجیب طرح غیب سے پیدا فرمایا۔ بجائے اس کے کہ کسی احمدی سے میری ملاقات ہوتی اور اس سے تبادلہ خیالات کر کے کسی نتیجہ پر پہنچتا۔ اللہ تعالیٰ

نے محض اپنے فضل و کرم سے میری ہدایت کا نرالا سامان مہیا فرمایا۔

ضلع حیدرآباد سندھ میں ایک گاؤں بنام "گوٹھ پیر جھنڈا" ہے اس میں مولوی عبیداللہ صاحب سندھی نے ایک عربی مدرسہ بنام دارالرشاد قائم فرمایا تھا جس میں ابتداءً مولانا موصوف خود بھی تعلیم دیتے تھے۔ بعد میں جب آپ سیاسیات میں منہمک ہو گئے۔ تو پہلے کچھ عرصہ دیوبند میں قیام پذیر ہو کر ایک تحریک چلائی۔ مگر بعد میں بعض وجوہات کی بناء پر وہاں سے ہٹ کر دہلی میں اس تحریک کو کامیاب کرنے کے لئے "نظارۃ المعارف القرآنیہ" کے نام سے قرآنی تعلیم کی درسگاہ قائم فرمائی۔ سندھ سے آپ کے تشریف لے جانے کے بعد آپ کے اس مدرسہ دارالرشاد کے انتظام کا کام ایک انجمن تعلیم وارشاد کے سپرد تھا۔ ۱۹۲۲ء کا واقعہ ہے کہ مجھے اس مدرسہ میں تعلیم دینے کی خاطر بلایا گیا۔ جب میں نے تعلیمی چارج لیا۔ تو الہٰی حکمت سے تفسیر قرآن کا مضمون بھی میرے سپرد ہوا۔ اتفاق سے پہلے ہی دن جو مضمون میں نے پڑھانا تھا وہ آیت یٰعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ کی تفسیر کا تھا۔ چونکہ میں نو وارد تھا اور طالب علم ماشاء اللہ مدیہ بھی اچھے لائق اور ہوشیار تھے اس لئے اس آیت کے متعلق مجھے اچھی خاصی تحقیق کی ضرورت تھی۔ وہاں اعلیٰ پیمانہ پر ایک کتب خانہ بھی تھا۔ اس کو جب میں نے کتب تفاسیر وغیرہ کا انبار لے کر مطالعہ شروع کیا تو میرے تعجب کی کوئی انتہاء نہ رہی کہ جس مسئلہ کو ہمیں فاضل اساتذہ نے اہل سنت کا اجماعی عقیدہ بتلا کر مضمون ازبر کرایا تھا۔ وہ نظریہ ہی صریح غلط اور پُر فریب نظر آیا۔ میں جوں جوں کتب تفاسیر کا مطالعہ کرتا اس مسئلہ میں سلف صالحین

سے دونوں قسم کی روایات پاتا اور جب وفات مسیح کے دلائل پر غور کی تو مجھے یہی پلہ بھاری نظر آیا اور اس کے مقابل حیات مسیحؑ کی دلیلیں کمزور اور پھسپھسی سی معلوم ہوئیں۔ مطالعہ کتب کے بعد میرے دل کی کیفیت یہ ہوگئی کہ جس کو میں قبل ازیں اپنا ایمانی عقیدہ قرار دے رہا تھا اس کے متعلق مجھے پورا انکشاف ہوگیا کہ یہ فریب نفس سے کچھ زیادہ نہیں تھا۔ (ع)

انتحت رجلك فرس او حمار

اس پر میری طبیعت حیات مسیح کے عقیدہ سے بیزار ہوگئی اگرچہ مجھے اب تک کسی احمدی سے مل کر ان سے تبادلۂ خیالات کرنے اور ان کے عقائد کا جائزہ لینے کا موقع نہیں ملا تھا۔ چونکہ نفس امارہ کا ابھی تک میری طبیعت پر بہت کچھ اثر تھا۔ اس نے مجھے اس موقعہ پر دھوکا دیا کہ جس نتیجہ پر تو پہنچا ہے۔ یہ عقیدہ تو مرزائیوں کا ہے چونکہ ان کے متعلق دوسرے علماء کی طرح علمائے دیوبند کا بھی یہی فتویٰ تھا کہ وہ ضال و مضل اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں اس طرح جو نفرت میرے دل میں احمدیوں کے متعلق تھی اس جذبہ نفرت کو ابھار کر میرے نفس نے دل میں وسوسہ ڈالا کہ مرزائیوں کی طرح کہیں تو خود گمراہ ہو کر دوسروں کو گمراہ کرنے کا باعث نہ بنے اس سے دل میں خوف پیدا ہوا۔ چونکہ رحمتِ الٰہی نے دستگیری فرمائی تھی۔ دل میں فوراً خیال آیا کہ اس کے متعلق استخارہ کرلوں۔ فوراً اٹھا۔ وضو کر کے نماز شروع کی دعائے استخارہ کرنے کا موقعہ تو آخر میں آنا تھا۔ اس سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے میرے انشراح صدر کے لئے آسمانی کھڑکی کھول دی۔

سورۂ فاتحہ ختم کر کے ابھی دوسری سورۃ پڑھنے ہی والا تھا کہ طبیعت میں ایک قسم کی ہچکاہٹ سی ہوئی کہ کون سی سورۃ پڑھوں اس حالت میں معاً ایسا محسوس ہوا جیسا کوئی دھکا دے کر سورۂ ضحیٰ پڑھنے کو کہتا ہے۔ تب فوراً ہی سورۂ ضحیٰ کی تلاوت شروع کی۔ زبان پر تو سورۂ ضحیٰ کے الفاظ جاری تھے۔ مگر دل کی کیفیت کچھ اور ہی تھی۔ اتفاقی طور پر جو سورۃ کا مفہوم دل پر وارد ہوتا اس میں کچھ ایسا کھویا گیا کہ محو حیرت بن گیا یہ مفہوم میرے دماغی تفکر کا نتیجہ نہیں تھا۔ بعث آمد تھی۔ آورد نہ تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا یہ سورۃ میرے لئے نازل ہوئی ہے اور اس میں میری دعائے استخارہ کا جواب ہے۔

سورۃ کے مضمون کا مجھ پر یوں انکشاف ہوا گویا مجھے خطاب ہو کر ارشاد ہوتا ہے کہ تو گھبراتا کیوں ہے۔ ہمارے ہاں ظاہری نظام لیل و نہار کی طرح ایمان کے روحانی نظام میں بھی ایک طرح کے لیل و نہار ہیں۔ عقائد حقہ اپنے روشن دلائل اور براہین نیرہ کی تیز شعاعوں کے ساتھ تجلیات ایمانی کے لئے گویا ضحوۃ النہار ہیں اور عقائد باطلہ اپنے کمزور دلائل اغلوطات اور تاویلات رکیکہ کی تاریکی میں محجوب ہونے کے باعث اندھیری رات کی مانند ہیں۔ پس ان دونوں کا دنیا میں موجود رہنا بھی قانون الٰہی کے ماتحت ضروری ہے اس سے گھبرانا نہیں چاہیئے بلکہ بصیرت کی آنکھ سے ان کے آثار و انوار کا مشاہدہ کرنا چاہیئے اس وقت جو تجھ پر حقیقت حال کا انکشاف ہوا ہے یہ دلیل ہے اس بات کی کہ خدا تجھ سے روٹھا نہیں پس

گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ ما ودعک ربک وما قلی۔

اس کیفیت سے بھرپور ہونے کے بعد جب میں اپنے ہوش وحواس میں آیا تو دل میں ایسا اطمینان وسرور تھا جو حد بیان سے باہر ہے۔ اور پھر جب پہلی رکعت ختم کر کے دوسری رکعت میں الم نشرح لک صدرک کی تلاوت کی۔ تب تو روح گویا وجد میں آگئی اور آستانہ الٰہی پر سجدہ ریز ہو کر حمد الٰہی کا ترانہ یوں گانے لگی۔ الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔

اس انکشاف کے بعد اتنا تو واضح ہو گیا کہ احمدیوں کا مسلک وفات مسیح کے مسئلہ میں حق پر ہے مگر ان کی طرف جو دوسری رکیک باتیں اور غلط عقائد منسوب کئے جاتے تھے ان کی بناء پر ان سے دل میں بدستور نفرت موجود تھی۔ احمدیت قبول کرنا تو کجا اس کے قریب بھٹکنا بھی ابھی تک گوارا نہ تھا۔ مگر ربوبیت الٰہیہ بھی میری اصلاح وہدایت کے لئے ایک مناسب موقعہ کی تاک میں تھی۔

انہی دنوں میں مجھے مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کے افاضات علمی سے بھی وہاں مستفید ہونے کا موقع ملا۔ آپ صوفی منش روشن دماغ وسیع المشرب تھے۔ عام مولویوں کے برعکس آپ کی طبیعت تعصب مذہبی کے متعفنہ مواد سے پاک صاف تھی۔ آپ کھلے بندوں عموماً قادیان میں بھی جاتے تھے۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے درس میں شامل ہونے کا تو آپ نے کئی بار موقعہ پایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے بھی حضور کے مسند خلافت

پر متمکن ہونے سے پہلے کئی دفعہ مولانا موصوف کو تبادلہ خیالات کرنے کا موقع ملا
انہی تاثرات سے آپ کو بھی قرآن مجید کے مطالعہ کا بہت کچھ شغف تھا حالات
حاضرہ کے مطابق قرآن مجید کے خطابات کو نئے اسلوب و انداز میں پیش کرنیکا
آپ کو اچھا خاصا ملکہ تھا۔ احمدیہ تبلیغی نظام سے متأثر ہو کر آپ بھی مبلغین
اسلام کی ایک جماعت قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لئے آپ فاضلان دیوبند
اور علی گڑھ کالج کے گریجوٹیوں کے امتزاج عناصر سے اسلام کا ایک حزب الانصار
تیار کر رہے تھے۔ اس حزب کی تیاری کے لئے "نظارۃ المعارف القرآنیہ" نامی
درسگاہ دہلی میں آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا آپ کے درسی
نوٹوں کا قلمی مجموعہ مجھے وہاں مدرسہ دارالرشاد گوٹھ پیر جھنڈا میں دستیاب ہوا
جس سے میں نے استفادہ کر کے احمدیت سے قبل ایک حد تک قرآن فہمی کے
لئے ذوق حاصل کیا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے دل میں مسلمانوں کی
اصلاح و ترقی کے متعلق عمیق جذبہ موجزن تھا مگر ان کی اصلاح و تربیت کا طریقہ
بزرگان زمانہ سید جمال الدین افغانی۔ شیخ محمد عبدہ۔ شیخ عبدالعزیز شاویش
وغیرہ سیاسی لیڈروں کے مسلک سے ملتا جلتا تھا۔ آپ مسلمانوں کے سیاسی
احساسات کو بیدار کرنے کے لئے مذہب اسلام اور قرآن کی تعلیم کو سیاسی رنگ
میں پیش کرنے میں منہمک تھے۔ مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کو روشن کرنے کے لئے
آپ کا ایک خاص منصوبہ تجویز کردہ تھا۔ جسے شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ قرار دیتے
سیاسی انہماک کے باعث آپ مہدی کی آمد کے عقیدہ کی یوں تاویل کرتے
تھے کہ "اگر آئندہ زمانہ میں ایک ایسا عالم پیدا ہو جو سید بھی ہو تا شیعہ سنی دونوں

فرقوں کو متحد کر سکے) اور اعلیٰ درجہ کا امام بھی ہو۔ پس جس وقت مسلمانوں میں ایسا عالم پیدا ہو جو ان کو مرکز اسلام (حجاز و شام) اور مصر و ایران اور افغانستان وغیرہ کے مسلمانوں کو متحد کر دے تو یہی مہدی ہو گا۔"

(درس القرآن زیر آیت یا عیسیٰ انّی متوفیک و رافعک الیّ)

مولانا صاحب کی اس تاویل سے مجھے شدید انکار تھا میں تو سیدھے طور پر عام مسلمانوں کی طرح اس مہدی کی آمد کا معتقد اور منتظر تھا۔ جسے اللہ تعالیٰ خود مبعوث فرمائے گا۔ اور زمانہ کے پیش آمدہ حالات و علامات کی رو سے آپ کے جلد مبعوث ہونے کی توقع بھی رکھتا تھا۔ فرط اشتیاق کے جذبہ سے سرشار ہو کر ایک دفعہ میں نے سورۂ بنی اسرائیل کی بعض آیات کے استنباط سے اس موضوع پر ایک مضمون بھی لکھنا چاہا مگر بعد میں اچانک دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ اس مختصر مضمون کی بجائے کیوں نہ مکمل سورۂ بنی اسرائیل[1] کی تفسیر لکھی جائے بعد کے واقعات سے معلوم ہوا کہ درحقیقت اس تحریک سے مشیت الٰہی میں میری ہدایت یابی کا سامان مقدر تھا جسے میں خود نہیں جانتا تھا۔ کیونکہ وہ مہدی موعود جس کی جلد تشریف آوری کی بشارت دینے کے لئے میں قلم اٹھانے لگا تھا۔ وہ امن کا شہزادہ۔ دنیا کو امن کا پیغام دینے والا موعود اقوام عالم تو واقعہ میں مبعوث ہو کر اپنا کام سرانجام فرما چکا تھا مگر اس کی شناخت سے میں اب تک جہالت کی وجہ سے محروم تھا۔ خدا تعالیٰ

---

[1] چنانچہ یہ تفسیر میرے احمدی ہو جانے کے بعد بنام "دستور الارتقاء" چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ منہ

ہوئی اسے اب تک میرے قلب نے فراموش نہیں کیا۔

بیدار ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا اور اپنے سابقہ خیال سے توبہ و استغفار کی اب میرا ذہنی انقلاب ہو چکا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات سے جو مجھے پہلے نفرت و بدظنی تھی وہ دور ہو چکی اور آپؑ کی صداقت و محبت کے جذبہ سے دل معمور ہو گیا۔ حضور کی تصانیف کا مطالعہ کر کے اپنے دل کی پیاس بجھائی اور حالات سلسلہ کا تفحص کر کے حصول حق میں بصیرت پائی۔ مگر ابھی تک نفس امارہ کے چنگل سے پوری طرح نجات نہیں پائی تھی۔ بلکہ اب تک بھی دل میں ایک مخفی بت موجود تھا۔ جس کے توڑنے کے لئے پھر ایک آسمانی ضرب مقدر تھی۔ اور وہ یوں کہ اگرچہ میں اس وقت احمدیت کو حق سمجھتا تھا۔ جب کبھی اس کے خلاف کوئی آواز سنتا تو غیرت برداشت نہ کرتی جب تک جواب نہ دے لیتا چین نہ پڑتا مگر بیعت کرنا ضروری نہیں جانتا تھا۔ حریت زمانہ کی مسموم فضا کے اثر سے نفس امارہ کی جڑ ابھی تک قلب میں ابھی باقی تھی جس کی وجہ سے میں اس وسوسۂ شیطانی کا شکار تھا کہ اسلام کے وسیع دائرہ کو جس میں کروڑوں مسلمان شامل ہیں۔ چھوڑ کر احمدیت کے محدود دائرہ میں کیوں مقید بنوں آوارگی نفس کی تاریکی میں کچھ عرصہ گذارا۔ آخر رحمت الٰہیہ نے آسمانی نور کی شعاع میرے دل و دماغ پر ڈال کر یہ ظلمانی پردہ بھی ہٹا دیا اور وسوسۂ شیطانی کی دیوار توڑ کر میری اصلاح کے لئے پھر ایک نیا روحانی نظارہ دکھایا۔

رؤیا میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بیعت کرتا خواب میں دیکھتا ہوں کہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہایت وجیہہ شکل میں عمدہ سبز لباس پہنے کھڑے ہیں اور آپ کے ہاتھ میں ایک فل سکیپ کاغذ ہے جس میں مبائعین کے نام درج ہیں۔ تمام صفحہ ناموں سے بھرا ہوا ہے۔ صرف آخری سطر خالی ہے۔ حضور مجھے وہ کاغذ دے کر فرماتے ہیں کہ اس میں اپنا نام لکھ دو۔ میں وہ کاغذ لیتا ہوں سامنے ایک پلنگ پڑا ہے جس کے سرہانے حضور مجھے بیٹھنے کا ارشاد فرماتے ہیں اور خود پائینتی کی طرف بیٹھ جاتے ہیں۔ حضور کے ان اخلاق کو میں دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہوں۔ پاس ہی قلم دوات پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اپنا نام لکھ کر کاغذ حضور کے حوالے کر دیا۔ پھر خیال آیا کہ بیعت کے لئے نام تو لکھ دیا مگر ابھی تو میرے دل میں بعض عقدے باقی ہیں۔ انہیں بھی آپ سے حل کرا لوں مگر حیا کی وجہ سے حضور کی خدمت میں عرض کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اس اثناء میں بیدار ہو جاتا ہوں۔ وقت سحر تھا۔ اٹھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی اگر تیرا منشاء بیعت کرانے کا ہے تو دل کے عقدے بھی تو کھول دے تاکہ شرح صدر سے بیعت کر سکوں۔ اس رؤیا سے چند دنوں بعد اللہ تعالیٰ نے دل کی وہ تمام کدورتیں دھو ڈالیں اور انشراح صدر سے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں ستمبر ۲۷ء میں بیعت کا خط لکھ دیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ۔

حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کا ذکر قرآن مجید میں

ایک دفعہ حضرت مولانا شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ نے ایک مضمون لکھا تھا۔[1]
اور اس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود سے ایک روایت درج کی تھی کہ حضور نے فرمایا "کھٰیٰعص میں میرا ذکر ہے"۔ اس پر خاکسار نے جناب الٰہی میں دعا کی کہ اس کا انکشاف مجھ پر بھی ہو تاکہ علیٰ وجہ البصیرت ہو کر اطمینان قلب حاصل کر سکوں۔ بعد میں جب خاکسار نے الفاظ کھٰیٰعص پر غور کرنا شروع کیا تو میرے دل میں ڈالا گیا کہ اس میں حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کے الہامی ناموں کا تذکرہ ہے۔

بایں طور کہ۔

ک۔ سے مراد کلمۃ اللہ۔ کلمۃ العزیز (تذکرہ صفحہ ۵۶۹)

---

[1] یہ مضمون حضرت مولوی صاحب رضی اللہ عنہ کی زندگی میں الفرقان فروری مارچ ۱۹۵۴ء کے پرچہ میں شائع ہو چکا تھا۔ اور ایڈیٹر الفرقان محترم مولانا ابو العطاء صاحب کی قلم سے مندرجہ ذیل نوٹ بھی دیا گیا: "مکرم مولوی عبد اللطیف صاحب بہاولپوری فاضل کا یہ لطیف اور عمیق مضمون دیر سے آیا ہوا تھا۔ آپ نے حساب جمل کے مطابق اس مضمون میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی زندگی کے بعض سالوں کا ذکر کرتے ہوئے ۱۹۵۴ء کے متعلق لکھا تھا کہ "آئندہ زمانہ خود شہادت دے گا"۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ پر ۱۰ مارچ ۱۹۵۴ء کے بزدلانہ حملہ کے بعد یہ مضمون شائع ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ حضور کو لمبی اور با صحت و کامران زندگی عطا فرمائے۔ آمین
(ایڈیٹر)

ھ۔ سے مراد ہذا یوم مبارک (تذکرہ ص۵۶۸)

ی۔ " " یحییٰ، یوسف۔ انا نبشرک بغلام اسمہ یحییٰ (تذکرہ ص۴۸۵) انظر الیٰ یوسف واقبالہ (تذکرہ ص۲۱۱)

ع۔ سے مراد عالم کباب (تذکرہ ص۵۶۳) عمانوئیل (تذکرہ ص۲۷)

ص۔ " " صیقبہ من السماء (تذکرہ ص۱۶۲)

اس کے بعد جب میں نے ان حروف کے اعداد پر بحساب جمل ابجد غور کرنا شروع کیا تاکہ حضور کی زندگی کے واقعات کی طرف بھی کہیں اشارہ پاسکوں۔ ابھی دو ایک حروف مقطعات کو جمع کیا تھا کہ میں نے محسوس کیا کہ گویا میرے دماغی رَو میں دو تین جھٹکے سے لگے ہیں جس طرح کہ بجلی کی رَو آگے کو چلتی ہوئی دھکا کھا کر کہیں پیچھے کو ہٹتی ہے۔ دو تین مرتبہ یہ کیفیت مجھ پر طاری ہوئی۔ پہلے تو میں اسے نہ سمجھ سکا۔ مگر آخر غور کرنے پر یہ حقیقت کھلی کہ الٰہی مشیت یہی معلوم ہوتی ہے کہ میں ان حروف کو نہ صرف جمع ہی کروں بلکہ چند ایک مرتبہ تفریق کے ذریعہ گویا پیچھے بھی ہٹوں۔ اس طرح تفریق کا عمل کر کے مجھ پر بعض نئے سنین اور ان میں پیدا ہونے والے واقعات کا بھی انکشاف ہوا۔ فالحمد علیٰ ذالک۔

اب اس کا میں ایک خاکہ پیش کرتا ہوں جس سے ان حروف کے اعداد کے ذریعہ حضور کی عمر کے سال اور وہ واقعات جو ان سنوں میں پیش آئے یا آنے والے ہیں آپ جائزہ لے سکیں۔

مقطعہ	حضور کی عمر	سن عیسوی	پیش آنے والے واقعات
ک	۲۰ سال	۱۹۰۹ء	اس سن میں آپ کو رؤیا میں اپنی خلافت

مظہر	عنصر کی عمر	سن عیسوی	پیش آنے والے واقعات
			کے عہد میں پیش آنے والے فتنہ کا انجام دکھایا گیا کہ اس فتنہ کی آگ بھڑکنے سے زعمائے دین جماعت میں سے بعض شہتیر جل کر راکھ ہو گئے (دیکھو الحکم خلافت جوبلی نمبر صفحہ ۲۹)
ک+ھ	= ۲۵ سال	سنہ ۱۹۱۴ء	اس سن میں حضور سریر آرائے مسند خلافت ہوئے۔
ک+ھ+ی	= ۳۵ سال	سنہ ۱۹۲۴ء	طلوع الشمس من المغرب کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ مغربی اقوام کو حضور نے اسلام کا پیغام پہنچایا اور اسلامی قلعہ مسجد فضل کی بنیاد لندن میں رکھی گئی۔
ع-ک+ھ	= ۴۵ سال	سنہ ۱۹۳۴ء	تحریک جدید کا افتتاح اور اکناف عالم میں تبلیغ اسلام کا نیا دور شروع ہوا۔
ع-ک	= ۵۰ سال	سنہ ۱۹۳۹ء	خلافت جوبلی کا جشن منایا گیا۔ مصلح اولی کی پیشگوئی پوری ہوئی۔
ع-ھ+ی	= ۵۵ سال	سنہ ۱۹۴۴ء	مصلح موعود ہونے کا الہامی اعلان اور تحریک جدید کے دورِ دوم کا افتتاح ہوا۔
ع-ی	= ۶۰ سال	سنہ ۱۹۴۹ء	ربوہ مقدسہ کی بنیاد پڑی۔ بعض مناسبتوں سے مدنی دور کا آغاز ہوا۔

ع - ھ	=	۵۵ سال	۱۹۵۴ء	آئندہ زمانہ خود شہادت ادا کرے گا۔[ل]
ع	=	۶۰ "	۱۹۵۹ء	
ع + ھ	=	۶۵ "	۱۹۶۴ء	ستبدی لک الایام ما کنت
ع + ی	=	۷۰ "	۱۹۶۹ء	جاھلاً ویاتیک بالاخبار
ع + ھ + ی	=	۷۵ "	۱۹۷۴ء	من لم تزود
ص	=	۹۰ "	۱۹۸۹ء	

اس کے بعد میں آگے کچھ اور لکھنے ہی لگا تھا کہ زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے

ل۔ چونکہ یہ مضمون ۱۹۴۹ء میں لکھا گیا تھا اسلئے مستقبل کے متعلق یہ الفاظ لکھ دیئے چنانچہ اب تک ان کی تعیین میں پیش آمدہ واقعات کی صورت میں زمانہ نے جو ان کی تصدیق یعنی شہادت ادا کی وہ درج ذیل ہے۔

(الف)، ۱۰ مارچ ۱۹۵۴ء میں حضور اقدس پر ایک شقی القلب نے چاقو سے حملہ کیا۔ وار اگرچہ کاری تھا مگر اللہ نے معجزانہ رنگ میں آپ کو بچا لیا۔

(ب)، ۲۵ فروری ۱۹۵۹ء میں بھی حضور کو ایک دوسرا حادثہ پیش آیا جب کہ حضور ایبٹ آباد سے واپسی پر موٹر کا پہیہ کھسک کر ایک گڑھے میں جا گرا۔ اس موقعہ پر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مہلک حادثہ سے ایک حد تک محفوظ رکھا۔

(ج)، ۱۴ مارچ ۱۹۶۴ء میں خلافت ثانیہ کے قیام کو پچاس سال پورے ہوئے اس بابرکت تقریب پر مسرت تو ضرور تھی مگر حضور پر ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ دعائیں کی گئیں اور صدقات دیئے گئے ربوہ کی اہم عمارتوں، بازاروں دکانوں اور محلہ جات میں مکانوں پر چراغاں کیا گیا۔

(د)، ۱۹۶۹ء میں حضرت مسیح موعود کے مقاصد عالیہ کو پورا کرنے کیلئے فضل عمر فاؤنڈیشن کی

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

"خاموش نعمت اللہ اسرار حق مکن فاش" جب میری توجہ ادھر ہوئی تو میں سہم گیا اور اشارہ الٰہی پانے پر قلم ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ یہ واقعہ ۲ر دسمبر ۱۹۳۶ء ۱۱ بجے رات بمقام احمد نگر ضلع جھنگ کا ہے۔ پھر جب میں نے اس بارہ میں مزید تفتیش کی تو بفضلہ تعالیٰ ایمان افزا بشارت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک روایت بھی مل گئی جو درج ذیل ہے۔

فرمایا کہ ہماری ہمشیرہ نے دیکھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میرا نام مصطفےٰ ہے اور میں ایک پہاڑ پر جا رہا تھا کہ ایک ٹیلہ میرے سر پر آگرا اور میں وہاں شہید ہو گیا اور شہید اصل میں زندہ ہی ہوتے ہیں۔ اور پھر کہا کہ تم اس کو خواب نہ سمجھنا۔ میں اس بات کی سچائی کی دلیل میں اس چیز کو پیش کرتا ہوں اور یہ کہہ کر اس نے ایک بھوج پتر کے ورق پر سورۃ مریم لکھی ہوئی پیش کی اور چلا گیا۔ اس کے بعد جب وہ بیدار ہوئیں تو ان کے سرہانے کے نیچے وہ چیز موجود تھی جو کہ مدت تک ہمارے گھر میں رہی۔ اور میں نے خود پڑھا ہے کہ اس کے اوپر بہت خوشخط لکھا ہوا تھا کھٰیٰعص ۔"

(تشحیذ الاذہان ۹ر اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۲۶)

اور پھر مزید تلاش کرنے پر ایک اور رؤیا حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کا بھی مل گیا آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"کشمیر میں ایک مولوی عبد القدوس صاحب رہتے تھے۔ وہ بڑے بزرگ آدمی تھے ...... میں نے ایک رؤیا دیکھا کہ

ان کی گود میں کئی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میں نے ایک جھپٹ
مارا اور سب بچے اپنی گود میں لے کر وہاں سے چل دیا۔ رستہ میں
میں نے ان بچوں سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا
کہ ہمارا نام کھیٰعص ہے۔ میں اپنے اس رؤیا کو بہت تعجب
کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ جب میں حضرت مرزا صاحب کا مرید ہوا
تو میں نے ان سے اپنے اس خواب کا ذکر کیا۔ مرزا صاحب نے
فرمایا کہ آپ کو اس کا علم دیا جائے گا اور وہ لڑکے فرشتے تھے۔"

(مرقاۃ الیقین فی حیاۃ نور الدین صفحہ ۱۵۴)

یہ پانچ فرشتے دراصل ان پانچ اسماء الٰہیہ کے تنزلات تھے جن کا ظہور
مصلح موعود کے رنگ میں ہونے والا تھا۔ اور اس میں یہ اشارہ تھا کہ اس مبارک
وجود نے ابتدائے امر میں سریر آرائے خلافت نہیں ہونا تھا بلکہ کچھ عرصہ کے
لئے آپ نے خلیفہ اوّل کی گود میں تربیت پانی تھی۔

(بقیہ حاشیہ) جو تحریک چلائی گئی تھی بفضلہ تعالیٰ وہ ۱۹۶۹ء میں کامیابی کے ساتھ سرانجام پائی چنانچہ
حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جلسہ سالانہ ۱۹۶۹ء میں فرمایا:
"یہ تحریک حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد میں اور حضور کے مقاصد عالیہ کو پورا کرنے کیلئے جلسہ سالانہ ۱۹۶۵ء
میں احباب جماعت کے سامنے رکھی گئی تھی اس کی میعاد ۳۰ جون ۱۹۶۹ء کو ختم ہوئی ہمارا خیال تھا کہ اس تحریک میں ۲۵ لاکھ
روپیہ جمع کیا جائے لیکن یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ جن لوگوں نے اپنی آنکھوں سے حسن و احسان میں حضرت
مسیح موعود علیہ السلام کے اس نظیر یعنی سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کے جلوے دیکھے تھے انہوں نے
تحریک فضل عمر کا خوب پرتپاک خیر مقدم کیا اور پچیس لاکھ روپیہ سے بھی زیادہ رقم اس فنڈ میں معینہ میعاد کے اندر جمع کر دی الحمد للہ ثم الحمد للہ
(الفضل ربوہ [illegible])

حضرت مصلح موعود کی شان

قرآن مجید کی روشنی میں

قرآن حکیم ایک مفصل کتاب ہے۔ نہ صرف تکمیل شریعت کے لحاظ سے بلکہ پیشگوئیوں کے لحاظ سے بھی وہ ایک بحر ذخار ہے۔ ہر زمانے میں جو دینی نظام کے عروج وارتقاء کے متعلق تحریکیں اٹھنے والی اور واقعات پیش آنے والے ہوتے ہیں ان کی بھی بالتفصیل رہبری فرماتا ہے تاکہ وقت آنے پر ان نشانات کو دیکھ کر مومنین علیٰ وجہ البصیرۃ قدم آگے بڑھائیں۔ اسلام کی نشأۃ اولیٰ کے دور میں بھی جو پیشگوئیاں عین وقت پر پوری ہوئیں وہ نہ صرف ہمارے اسلاف کے ازدیاد ایمان کا باعث تھیں۔ بلکہ ہمارے لئے بھی وہ موجودہ دور میں ایسی ہی مشعل راہ ہیں جیسا کہ پہلوں کے لئے تھیں۔ کیونکہ ان میں سے اکثر ایسی ہیں جو مثانی کا پہلو رکھتی ہیں۔ یعنی متعدد بار وقوع پذیر ہو کر قرآنی حقائق ومعارف کے نئے نئے زاویوں کو نمایاں کرتی ہیں۔

آج جبکہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا دور ہے اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ دینے اور اس شجرہ طیبہ کے اثمار شیریں سے اقوام عالم کو بہرہ ور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ مگر چونکہ آپ کے کام کی تکمیل آپ کی شخصی زندگی میں نہیں ہو سکتی تھی۔ بلکہ اس کیلئے ایک لمبے عرصہ تک مسلسل جدوجہد کرنے اور نئی نئی سکیموں کو بروئے کار

لانے کی ضرورت تھی جو آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے ہاتھوں انجام پذیر ہونے والی تھیں۔ اس لئے ان کی بھی پہلے سے خبریں دے دی گئیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک عظیم الشان پیشگوئی حضرت مصلح موعود کے متعلق ہے میرا ایمان ہے کہ ہر الہامی پیشگوئی کا منبع و ماخذ قرآن حکیم ہے جو تبیانا لکل شیء ہے اور جس کی شان میں فرمایا وما من غائبۃ فی الارض ولا فی السماء الا فی کتاب مبین (نمل ع۶) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی کشفاً دکھایا گیا کہ روح القدس کے قدسی باغ کی بیری قرآن مجید کے پانی سے ہے۔

انی ادرکت بالکشف ان حظیرۃ القدس تسقی بماء الفرقان (تذکرہ ص۱۲۲)

میں نے جب اس نقطہ نگاہ سے قرآن حکیم کا مطالعہ کیا اور جناب الٰہی میں متضرعانہ دعاؤں سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ حضرت مصلح موعود کی پیشگوئی کے منبع کا قرآن حکیم سے پتہ مل جائے تا روحانی پیاس بجھا سکوں۔ تو نہ صرف یہ کہ اس پیشگوئی کی جزئیات کے اشارات کو پایا بلکہ آپ کی مساعی جمیلہ اور حیات طیبہ کے متعدد واقعات کے ذکر سے میں نے قرآن مجید کو مملو پایا۔ قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں جن میں سے اب تک میں نے نوّے سے زائد سورتوں میں یہ نشان راہ پالیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ کئی جگہوں میں تو توضیح بیان جلی ہے۔ مگر بعض جگہوں میں ایسے دقیق رموز اشارات ہیں جن کی وضاحت میں شاید طریق استدلال کی رو سے نہ کرسکوں

یہ سب کچھ اس مقدس وجود کی برکت اور اس کے فیضان علم کا ترشح ہے جس کے متعلق الہام الٰہی میں فرمایا گیا ہے۔

"نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا" (تذکرہ ص۱۴۲)

ع اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

ان میں سے چند ایک کا اس وقت مختصر ذکر کرتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ اس مضمون کو مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

پیشگوئی مصلح موعود کے ابتدائی ماخذ کے لئے آپ سورۃ بروج کو پڑھیئے تو آپ کو اس میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے دور جدید "الیوم الموعود" میں آنے والے دو مقدس وجودوں کا تذکرہ ملے گا۔ ایک حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر جو بحیثیت عظیم الشان شاہد کے وشاہد کی پیشگوئی کے مطابق پیش ہوتے۔ دوسرے مصلح موعود جو مشہود کی حیثیت میں ظاہر ہونے والے تھے اور آپ کی پیدائش سے پہلے قرآنی پیشگوئی کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی شان مرتبہ کے متعلق الہام الٰہی سے بشارت پاکر شہادت ادا فرمائی۔ ان ہردو وجودوں کی عزیمت اور روحانی توجہ کو جو مذہبی دنیا میں انقلاب پیدا کرنے کے متعلق ان کے دلوں میں موجزن تھی۔ قرآن مجید میں نفخ صور کے نام سے یوں پیشگوئی فرمائی۔

وله الملك يوم ينفخ في الصور (الانعام ع۹)

یعنی آسمانی بادشاہت کا دور اس وقت ہوگا جب کہ نفخ صور ہوگا۔ اس آیت کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کشف کی رو سے یوں فرماتے ہیں۔

اخرج احمد والحاکم عن عبد اللہ بن عمرو
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال النافخان
فی السماء الثانیۃ رأس احدھما بالمشرق
ورجلاہ بالمغرب ینتظران متی یومران
ینفخا فی الصور فینفخا (در منثور)

کہ آسمان دوم میں دو وجود نفخ صور کرنے والے ہیں ان میں سے ایک کا سر مشرق میں اور پاؤں مغرب میں ہیں اور وہ اس انتظار میں ہیں کہ کب انہیں نفخ صور کا حکم ملتا ہے۔

اس کشف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفخ صور کے لئے دو فرشتوں کو دیکھا جن کے مظہر دبروز عالم ظاہر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے لخت جگر حضرت مصلح موعود ہیں جن کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے الہاماً کہلوایا انا المسیح الموعود مثیلہ وخلیفتہ (الفضل ۳ رجون ۴۴ء) سر مشرق میں ہونا اس امر کا مظہر ہے کہ آپ کا وطن اور مرکزی مقام مشرق میں ہوگا اور قدم مغرب میں دکھائے جانا آپ کے سفر یورپ اور آپ کے مشنوں کے مغربی ممالک میں قائم ہونے کی طرف اشارہ ہے۔
اور السماء الثانیہ کا لفظ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے دور کی طرف توجہ دلا رہا ہے۔ چنانچہ اس پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ۱۹۲۴ء

ہیں وہ تقریب پیدا فرماتی جب کہ لنڈن میں مذہبی کانفرنس منعقد ہونے پر حضور کو اسلامی نمائندگی کے لیئے دعوت دی گئی اس موقعہ پر اس آسمانی قرنار نے وہ آسمانی پیغام پہونچایا جو احمدیت یا حقیقی اسلام کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ عجیب الٰہی تصرف دیکھیئے۔ اس مبارک لیکچر کی ابتدا کے لیئے آپ نے سورۃ صافات کی ان ابتدائی آیات کو منتخب فرمایا جن کا حضور کی پیشگوئی کے پورا کرنے کے ساتھ گہرا تعلق تھا وہ آیات یہ ہیں۔

والصافات صفا والزاجرات زجراً فالتالیات ذکراً ان الٰھکم لواحد۔

ان آیات کا تلاوت کے لیئے انتخاب محض اتفاق نہ سمجھیئے۔ بلکہ قدرت کی طرف سے یہ آسمانی قرنار اپنے مخصوص انداز سے درحقیقت ان مغربی اقوام کو گویا اس طرف توجہ دلا رہا تھا۔ کہ تم اپنی حکومت وسیاست کے گھمنڈ میں نہ رہو۔ اب مسیح کی آسمانی بادشاہت کا دور جدید شروع ہو چکا ہے۔ اس الٰہی تخت کا وارث روحانی بادشاہ مسیح موعود مبعوث ہو چکا۔ اب امن عالم کی قسمت اس کے ساتھ وابستہ رہنے سے ہے جس کا نمائندہ اس کا لختِ جگر اس وقت تمہارے سامنے ہے تا وہ جو الہاماً کہا گیا تھا کہ

"گورنر جنرل کی پیشگوئیوں کے پورا ہونے کا وقت آگیا"

(تذکرہ ص ۳۵۰)

تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ اس کی قیادت میں آسمانی بادشاہت کی فوجیں صف بستہ ہو کر دنیا میں نکل چکی ہیں اور والصافات صفاً کی

پیشگوئی ان کے ذریعہ پوری ہو رہی ہے۔ وہ مرکز تثلیث میں توحید کا جھنڈا گاڑنے میں مصروف ہیں جس کا تازہ نشان ابھی تمہارے سامنے نمودار ہو کر اسی گورنر جنرل کے ہاتھوں اسلامی قلعہ یعنی مسجد فضل لنڈن کی سنگ بنیاد رکھوا کر تمہیں وہ پیشگوئی یاد دلائی جائے گی جو کہا گیا تھا کہ یقتل الدجال عند باب اللد۔ شاید تمہیں یہ گھمنڈ ہو کہ اس جماعت کے مرکز پر سیاسی اقتدار ہمارا ہے اور یہ ہمارے ماتحت ہیں اس غرور اور تکبر کی وجہ سے شاید تم اس آسمانی پیغام کی طرف توجہ دینے میں غفلت برتنے لگو تو سُن لو فالزاجرات زجراً۔ اب اس کا بھی انتظام ہو چکا ہے اسی مصلح موعود کے زمانہ میں ہی تمہارے دماغوں کا یہ گھمنڈ نکال دیا جائے گا۔ تمہارے سیاسی پنجہ اقتدار کی گرفت ڈھیلی کر دی جائے گی تاکہ اگلی پیشگوئی فالتالیات ذکراً بڑی شان سے پوری ہو۔ اور مغربی ممالک میں اسلامی تبلیغ کا کام پُر زور طریق پر جاری کیا جا سکے۔ چنانچہ آگے اسی سورت کی آیت ۱۴۰ تا ۱۴۶ کی تلاوت کرو۔ تو آپ کو مصلح موعود کے اس عظیم الشان کارنامے کا پتہ لگ جائے گا جس کی خبر خدائے علام الغیوب نے تیرہ صدیاں پہلے سے دے دی تھی فرمایا۔

وان یونس لمن المرسلین ۔۔۔۔ فنبذناہ بالعراء وھو سقیم وانبتنا علیہ شجرۃ من یقطین (الصافات ۵ع)

چونکہ قرآن حکیم قصوں کی کتاب نہیں بلکہ اس کے ہر قصہ کے نیچے در حقیقت

زبردست پیشگوئی ہوتی ہے اسی کے مطابق یہاں بھی پیشگوئی ہے کہ اسلام کے دور اوّل میں بعض خلفاء مثیل یونس ہوکر انہی کا کردار ادا کریں گے اور اپنے اجتہاد سے مرکز اسلام دار الخلافہ مدینہ کو چھوڑ کر ایک دوسری جگہ انتخاب کریں گے جسے وہ اپنے خیال میں اپنے لئے اعوان و انصار سے بھرپور کشتی سمجھ رہے ہوں گے اور اس کو مصائب و فتن سے بچاؤ کا ذریعہ قرار دیں گے۔ مگر یہ خیال نتیجہ نکلنے پر غلط ثابت ہوگا کیونکہ ارض مقدسہ مدینہ منورہ کو چھوڑ دینے کے بعد مسلمانوں کی آپس میں لڑائی چھڑ جائے گی چنانچہ فساھم فکان من المدحضین میں اس طرف اشارہ ہے اور بتایا ہے کہ یہ حرب حرب السہام یعنی تیر اندازی کی ہوگی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ شیطانی قوتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی نئی پود کے قلوب سے خلافت کا وقار جاتا رہے گا۔ خلافت الہیہ کے اس کفران نعمت پر آخر امت میں سے خلافت کا نظام اٹھ جائے گا اور ان پر ملوکیت مسلط کردی جائے گی۔ تب اس بداعمالی کی سزا میں ایک دن امت محمدیہ اس بڑی مچھلی کا شکار ہو جائے گی۔ جس کے سیاسی پنجۂ اقتدار سے نجات پانا اس کے لئے مشکل ہو جائے گا۔ فالتقمہ الحوت ان سیاسی انقلابات کی طرف توجہ دلا رہا ہے۔ جو ان مغربی اقوام کی ریشہ دوانیوں کے باعث رونما ہوئے۔ تب اسلام کے دور جدید میں اللہ تعالیٰ امت کو اس مخمصہ سے نجات دلانے کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمائے گا اور آپ کے ذریعہ پھر خلافت کا دور جاری ہوگا۔ اور ہر قسم کی برکتوں کی راہیں

مسلمانوں کے لئے کھول دی جائیں گی ۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الہام الٰہی سے اشارہ پاکر فرمایا ۔

"خدا نے یہی ارادہ کیا ہے کہ جو مسلمانوں میں سے مجھ سے علیحدہ رہے گا وہ کاٹا جائے گا ۔ بادشاہ ہو یا غیر بادشاہ"

(تذکرہ ص۳۰۷)

اس دور خلافت میں سے حضرت مصلح موعود کی خلافت کا وہ مبارک دور ہے جس میں اس عظیم الشان نشان کا ظہور مقدر تھا جب کہ اس زبردست مچھلی کے سیاسی پنجۂ اقتدار کی گرفت آپ کی دعاؤں اور مساعی جمیلہ کی بنا پر ڈھیلی ہو جائے گی اور اس کا شکم اب اس لقمہ کو ہضم کرنے کی طاقت نہ رکھنے کے باعث آخر اسے اگلنے پر مجبور ہو جائے گی ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ مگر اگلنے وقت بھی وہ اپنی دجالی شرارت کا مظاہرہ ایک ایسی سیاسی چال کی صورت میں کر گئی ۔ جس کی وجہ سے مجبور ہو کر آخر حضرت مصلح موعود کو قادیان سے ہجرت کر کے اپنے کام کو مسلسل جاری رکھنے کے لئے ایک چٹیل میدان میں اقامت کرنی پڑے گی ۔ جس کے متعلق اگلی آیت میں پیشگوئی ہے فنبذناہ بالعراء وھو سقیم ۔ اس آیت کے اعداد پر نظر ڈالو ۔ جو ۱۴۲۰ ہیں جس میں اشارہ ہے کہ اس عرصہ تک پھر اسلامی تبلیغ و اشاعت کے کام کے لئے ایک نیا مرکز بنے گا ۔ ۱۴۲۰ میں سے ۱۲ سال مکی زندگی کے اور ۱۰ سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے اور ۳۰ سال خلافت راشدہ کے منہا کئے جائیں تو ۱۳۶۸ سال باقی رہ جاتے ہیں ۔ ٹھیک

اسی سال یعنی ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں احمدیت کا مدنی مرکز ربوہ ہو غلبۂ اسلام کے بعض نئے پہلوؤں کو اپنے ساتھ رکھتا ہے حضور کی توجہ اور برکت اور مساعی جمیلہ سے ظہور پذیر ہوا جس کے متعلق اگلی آیت میں یوں بشارت ہے۔ فانبتنا علیہ شجرۃ من یقطین۔ یقطین کو شجرہ بنانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ احمدیت کا یہ پودا جو ابتداء میں ایک کمزور بیل کی صورت میں نمودار ہوگا۔ آخر وہ بڑھتے بڑھتے ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر جائے گا۔ اس آیت کے اعداد بحساب ابجد ۱۷۸۷ بنتے ہیں۔ ان میں ۵۲ سال عہد نبوت اور خلافت راشدہ تک کے زمانہ کے اگر منہا کئے جائیں تو ۱۷۳۵[1] رہتے ہیں یہ وہ عرصہ ہے جس میں احمدیت بڑھ کر ایک عظیم الشان درخت کی طرح بن کر اقوام عالم کو اپنے سایہ میں جگہ دے دے گی۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔

"ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس عقیدے کو چھوڑ دیں گے اور دنیا میں ایک

---

[1] ان میں سے ۴۰۰ سال مستقبل کے اگر منہا کرو تو ۱۳۳۵ بنتے ہیں یہ وہ مصلح موعود کی مبارک زمانہ ہے جس کے متعلق حضرت دانیال بشارت دیتے ہوئے فرماتے ہیں "مبارک ہے وہ جو ایک ہزار تین سو پینتیس روز تک انتظار کرتا ہے" (دانیال 12/12)

ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا
ہوں۔ میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا
اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

(تذکرہ ص ۲-۵ و ص ۳-۵)

سنو! جن حالات میں حضرت مصلح موعود نے ہجرت فرمائی وہ وقت
اگرچہ ایسا خطرناک تھا۔ کہ ان حالات کی رو سے آپ کا وہاں سے صحیح
سلامت بچ کر نکل آنا ممکن ہی نہ تھا۔ مگر الہام الٰہی "خدا کا سایہ اس کے سر
پر ہوگا" کی تجلی کس جلالی شان سے رونما ہوئی۔ قرآن حکیم بھی آپ کی اس
ہجرت اور آپ کا حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی معیت میں الٰہی
حفاظت کے ساتھ صحیح سلامت نکال کر اس ہجرت گاہ میں مقیم ہونے کا
یوں ذکر فرماتا ہے۔

وَاٰوَیْنٰهُمَآ اِلٰی رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِیْنٍ۔

(مومنون ع ۳)

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قلم سے بھی ایسے رنگ
میں لکھوا دیا جس میں اس پیشگوئی کا مفہوم مضمر تھا۔ جسے بعد میں ظاہری
رنگ میں بھی پورا ہونا تھا۔ چنانچہ حضور نے تحریر فرمایا۔

وَنَحْوُ قَوْمٍ لَنَا اَرْضًا جَدِیْدَةً مُنَاوِرًا اَنَا اللّٰہُ اِلٰی
رَبْوَةٍ ذَاتِ خَضْرٍ وَرَوْضَةٍ۔ (الاستفتاء صفحہ)

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام۔

انا انزلناہ قریباً من القادیان (تذکرہ ص۷۶)
میں بھی ایک معنی کی رو سے اس ہجرت کی طرف اشارہ ہے جس میں بتایا گیا کہ
آپ کو ہجرت کے بعد کہیں دور علاقہ میں جانا نہیں پڑے گا۔ بلکہ آپ کی
ہجرت گاہ قادیان کے قریب ہی ہوگی۔ احمدیت کے اس مدنی مرکز ربوہ
کی قادیان سے فاصلہ کے لحاظ سے بھی تقریباً وہی نسبت ہے جو مکہ اور
مدینہ کے مابین فاصلہ کی ہے۔ اور عجیب حکمت الٰہی دیکھئے کہ ربوہ ریلوے
کی بھی اسی لائن پر ہے جو تقسیم ملکی سے پہلے یہاں سے ریلوے ٹرین (مارٹی
انڈس)، گزر کر لاہور صدر جنگشن سے تبدیل ہوتے بغیر سیدھی پٹھانکوٹ
تک جاتی اور قادیان کی امانت (سوار یاں) بٹالہ کے سپرد کر جاتی تھی
یہ بھی آسمانی انگلی کا اشارہ ہے کہ جب

ان الذی فرض علیک القرآن لرادک

الی معاد ۔ (تذکرہ ص۳۱۳)
کی پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت آئے تو یہی لائن اس مبارک سفر کے وقت
زبانِ حال سے تصدیقی شہادت ادا کرے گی۔

احمدیت کا یہ مدنی مرکز معمولی شان کا نہیں۔ بلکہ اس مرکز سے جس
شان و شوکت کے ساتھ اسلام کی گونج دنیا تے عالم میں پھیلی تھی ۔
قرآن حکیم بھی اس کے ذکر سے خاموش نہیں چنانچہ فرمایا۔

ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن
فی الارض الا من شاء اللہ ثم نفخ فیہ اخری

فاذاھم قیام ینظرون واشرقت الارض
بنور ربھا ووضع الکتاب وجایٔ بالنبیین
والشھداء وقضی بینھم بالحق وھم
لایظلمون ۔ (زمر ۹۷)

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ اس پیشگوئی کا مکمل ظہور تو بے شک قیامت
کبریٰ میں ہوگا مگر نبی کی بعثت کا زمانہ بھی تو قیامت کہلاتا ہے جس
میں روحانی حشر و نشر ہو کہ واقعات آخرت کے نمونے دکھائے جاتے
اور حقائق آخرت کی تصویریں تاویل الاحادیث کے رنگ میں پیش
کی جاتی ہیں تا مومن ان نشانات کو دیکھ کر ایمان میں ترقی کریں۔ پس
اس اصول کی رو سے اس پیشگوئی کا ایک ظہور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے زمانہ کے ساتھ بھی وابستہ ہے۔ اور اس میں بتایا گیا ہے
کہ آپ کے ظہور پر نفخ صور کے دو دور ہوں گے۔ پہلا دور حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کی حیات طیبہ کا اور دوسرا دور آپ کے مثیل و بروز حضرت
مصلح موعود کا ہوگا۔ دَور اوّل میں جب اسرافیلی صور کی پہلی آواز کو لوگ
سنیں گے تو اس وقت چونکہ ان کی قلبی استعدادیں مردہ اور روحانی
حواس مختل ہوں گے۔ اس لئے اس حقانی آواز کی تاب نہیں لاسکیں گے
اور نفسانی جذبات سے مشتعل ہونے کے باعث دماغی توازن کھو بیٹھیں گے
دوسرے لفظوں میں گویا بیہوش ہوجائیں گے۔ کیا زمینی اور کیا آسمانی
سوائے ان نفوس کے جن کو اللہ تعالیٰ اس الٰہی آواز پر لبیک کہنے کی

توفیق بخشے گا۔ زمینی لوگ تو اپنے مادی علوم میں انہماک رکھنے اور زمینی ایجادات واختراعات کے نشہ میں مدہوش ہونے کے باعث اس طرف توجہ ہی نہیں دیں گے اور آسمانی لوگ مدعیان مذہب حاملین شریعت اپنے غلط معتقدات اور وضعی روایات کی رَو میں بھٹک رہے ہوں گے کوئی اس خیال میں ہوگا کہ یہ آواز مکہ سے اٹھنی چاہیئے تھی۔ اور کوئی اپنے نظریات کی جولانگاہ دمشقی مینارہ کو قرار دیتا ہوگا۔ کوئی باب ایلیا کی طرف اور کوئی غار سرمن رائی کی جانب نگاہیں جمائے بیٹھا ہوگا۔ غرض اپنے اغلوطات کی روشنی میں جب اس کا جائزہ لیں گے اور اپنی امیدوں کو پورا نہ ہوتا پائیں گے۔ تب اندھا دھند اس کی مخالفت پر اتر آئیں گے ان حالات میں سے ہو کر یہ دور گزرے گا۔ اصطلاح حدیث میں اس دور کا نام المھدی فی المعاد ہے۔ اور قرآن مجید میں اسے الکھف کے نام سے یاد فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ آیت فاوٗا الی الکھف میں اس وقت کے فریضہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے یہ دور احمدیت کے لئے گویا جنین کی حیثیت رکھتا ہوگا جس میں وہ نفوس طیبہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے کی سعادت حاصل کرکے آپ کے پروں کے نیچے آگئے ہوں گے روحانی تربیت پاکر اور آسمانی حقائق کے چشم دید گواہ بن کر ارشاد الٰہی لتکونوا شھداء علی الناس کے مطابق دنیا کے سامنے بطور گواہ پیش ہوں گے۔ اور اس شہادت کی ادائیگی کے لئے انہیں دنیا کے کناروں تک نکلنا ہوگا اور اپنے پاک نمونہ سے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قوت قدسیہ کا نمونہ اپنے تزکیہ نفس کی صورت
میں پیش کریں گے جیسا کہ سورۃ کہف میں قصہ کے پیرایہ میں پیشگوئی فرمائی۔

وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ (الکہف ۳)

اب دوسرا دور[لہ] حضرت مصلح موعود کی خلافت کا آئے گا۔ جب کہ

لہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد دوسرا دور مصلح موعود کا بتایا ہے سوال
یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کا بھی تو دور تھا مگر میں اس کو مصلح موعود
ہی کے دور میں مدغم سمجھتا ہوں کیونکہ ابراہیمی طور سے کام لینے کا جب موقعہ آیا تو قدرت
الٰہی نے اس کام کے لئے بھی حضرت مصلح موعود کو چنا۔ خلافت اولیٰ کے دور میں اس
اقتدار پسند طبقہ سے جو بعد میں باغیانِ خلافت قرار پاتے۔ جب خلیفہ وقت نے
اپنے دورِ خلافت کی تبلیغ کا ناشتہ کرنے کے لئے مغربی ممالک میں پہلا مشن بھیجنے کا ان
سے مطالبہ کیا تو انہوں نے کئی بہانوں سے اسے ٹال دیا۔ آخر ان کے رویہ سے تنگ
آکر حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے اپنے پیارے محمود (اللهم طول
عمره بالصحة والعافية ومتعنا بطول بقائه) سے یہ کہا
آتنا غداءنا لقد لقينا من سفرنا هذا نصبا مگر اس اولوالعزم
نوجوان نے اسرائیلی موسیٰ کے نوجوان کی طرح یہ جواب نہ دیا کہ انی نسیت الحوت
بلکہ اس نوجوان نے بچپن ہی سے اس اسرائیلی نوجوان سے نکلی ہوئی مچھلی کے نکالے کے بعد
ایک مجموعہ جوانان حزب انصار اللہ کا تیار کر رکھا تھا۔ چنانچہ فوراً جماعت [illegible]

باغ احمدیت کے وہ پودے جو نرسری کے طور پر مرکز احمدیت میں تیار ہو چکے ہوں گے اور وہ طیور ابراہیمی جو اپنے فن پرواز میں کامل ہو چکے ہونگے ان سے کام لیا جائے اور اس کام کی تکمیل کے لیے مزید فوجیں تیار کی جائیں گی تاکہ ان کے ذریعہ دنیا کی مردہ اور ویران آبادی کو زندہ اور سرسبز بنایا جائے اور ان قدسی پھولوں کی مہک سے دنیا کو معطر کیا جائے چنانچہ بالآخر حضرت مصلح موعود کی ان انتھک مساعی سے یہ کام ایسے احسن پیرایہ میں سرانجام پائے گا جس سے دنیا کی ذہنیت میں ایک عظیم الشان تبدیلی ہو جائے گی اور وہ نفوس جو اب تک احمدیت کی آواز تک نہیں سن سکتے تھے اب ان کے دلوں کی سنگلاخ زمین کی بنجر شگافی ہو کر قبولیت کا میلان پیدا ہو جائے گا کچھ تو اس وجہ سے کہ اس آسمانی نور کی جرعہ نوشی

(بقیہ حاشیہ) کے وہ مجاہدین توشہ سفر سمیت آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے اور وہ پیشگوئی بھی آپ ہی کے ہاتھوں پوری ہوئی جو ان مجاہدین خلیفتی گروہ کے متعلق فرمایا گیا تھا کہ ان کی پہلی خوراک یا ناشتہ بعد الہجرت ہوگا۔ مجھے جب اس پیشگوئی کی یاد تازہ ہوتی ہے تو میری روح وجد میں آکر بے اختیار یہ گیت گانے لگتی ہے۔

اے فخر رسل قرب تو معلومم شد

دیر آمدۂ ز راہ دور آمدہ

اس پر مفصل مضمون کا کسی قدر تفصیلی ذکر انشاء اللہ اپنے موقعہ پر آئے گا۔

وبا اللہ التوفیق۔

شعاعیں ان کے قلوب پر آہستہ آہستہ پڑ کر ان کے ماؤف قوائے حسیہ کی اصلاح کریں گی۔ اب وہ آسمانی عطر سے ممسوح کے عطر و عبیر کی خوشبوؤں سے لطف اندوز ہونے لگیں گے۔ اور کچھ جلالی نشانات عالم کباب کی جلالی تجلیات کے مظاہر دیکھ کر ان کے دل نرم ہو چکے ہوں گے۔ دوسری طرف ملکی اور سیاسی حالات کی رو سے اب ہوا کچھ ایسی چلے گی کہ دنیا کی ملتیں بالخصوص مغربی قومیں اب اسلام کے خلاف بغض و عناد نکالنے کی بجائے صلح اور دوستی کا ہاتھ اسلام کی طرف بڑھانے میں ہی اپنی مصلحت سمجھیں گی۔ حضرت محمود ایدہ اللہ الودود کی قوموں کی یلغار اب حاملین مسیحیت کو بھی مجبور کر دے گی کہ وہ خود اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہوئے پیدا کریں۔ یہ دور حضرت مصلح موعود کی مساعی جمیلہ کے ظہور کا اپنی نمایاں شکل کے ساتھ اس وقت ہوگا جب کہ احمدیت کے مدنی مرکز سے اسلامی فوجیں نکل کر دنیا کے ہر گوشہ میں دجالی فوجوں پر بمباری کر رہی ہوں گی۔ اس دور کے متعلق قرآن مجید نے یوں بشارت دی۔

ثم نفخ فیہ اخری فاذا ھم قیام
ینظرون۔

نفخ صور کے ان دو دوروں کے درمیانی وقفہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔ (بخاری و مسلم و ابو داؤد) ٹھیک اس کے مطابق یہ دور ظہور میں آیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ۱۹۰۸ء میں ہوئی۔ اس کے ۴۰ سال بعد ۱۹۴۸ء میں

دوسرا فتح احمدیت کے مدنی مرکز ربوہ سے ہوا۔ ان فی ذالک لآیۃ
لاولی الالباب۔

فاذا ھم قیام ینظرون بتلا رہا ہے کہ اس سے پہلے
ان لوگوں کے ذہنی اور دماغی قوئے ماؤف اور روحانی احساسات مردہ
تھے اس وقت وہ اپنے حواس سے کچھ نہیں دیکھتے سنتے تھے۔ بلکہ جو کچھ
پادری پنڈت اور مولوی انہیں لقمہ دیتے اس پر چلتے۔ اسلام اور احمدیت
کی تصویر بھی ان کے سامنے وہی تھی جو اسلام کے دشمنوں کے ہاتھوں سے
کھچی گئی تھی۔ مگر اب وہ بیدار ہو کر براہ راست تلاش حقیقت میں لگ
پڑیں گے اور اسلام کا اصل چہرہ دیکھنے کے لئے خود کھڑے ہو جائیں گے
اس سے یہ نہ سمجھو کہ ابھی سے قومی طور پر اسلام کو قبول کریں گے۔ نہیں
بلکہ اب تک بھی ان کی راہ میں بڑی بڑی روکاوٹیں ہوں گی۔ جب تک
انہیں دور نہ کیا جائے ان کا اسلام میں داخلہ مشکل ہوگا۔ اب اس کے
لئے احمدیت کو بڑی جد و جہد کی ضرورت ہو گی۔ ان سدوں کو توڑنے
کے لئے حضرت مصلح موعود کچھ اور نئی مہمیں اور سکیمیں جاری فرمائیں گے
میرے نزدیک اس وقت تک احمدیت کا سفر جہاد تین منزلیں بدر، احد
اور احزاب کی طے کر کے گویا اب اس موڑ پر ہے جو اسلام کی نشاۃ
اولیٰ کے دور میں صلح حدیبیہ کا تھا۔ الہام الٰہی

"چمک دکھلاؤں گا اس نشاں کی پنج بار" (تذکرہ صفحہ ۵۹۶، ۶۸۳)

بتا رہا ہے کہ ابھی فتح مکہ اور فتح حنین کے دو دور اور باقی ہیں جس کے لئے

جماعت کو مزید قربانیوں کی ضرورت ہے تا وہ جلالی پیشگوئی "یوم الاثنین و فتح الحنین (تذکرہ ص ۷۴۲) اپنی پوری شان سے جلد نمودار ہو۔ جنگ احزاب کا نمونہ ابھی پچھلے دنوں ۱۹۵۳ء میں دنیا نے دیکھ لیا۔ سخت سے سخت معاند نے بھی اس کا اعتراف کیا کہ احمدیت کی نصرت میں اس کے پیچھے خدائی ہاتھ تھا حضرت مصلح موعود مثیل یوسف کی جو حضرت یوسفؑ سے دس مشابہتیں تھیں۔ ان میں سے ایک مشابہت اس دور ظلمت میں بھی کس جلالی شان سے نمایاں ہوئی۔ تحقیقاتی عدالت نے بھی آخر اس یوسف کا کمال احترام کے ساتھ آپ کی براءت کا کھلے بندوں اعتراف کیا۔ یہ سب کچھ اس آسمانی سکیم کے ماتحت قدم اٹھ رہا ہے جس کے متعلق کتاب مبین میں پہلے سے خبریں دے دی گئیں۔ اور واقعات عملی رنگ میں ان کی تفسیر پیش کر رہے ہیں مگر افسوس کہ بعض نفوس ایسے بھی ہیں جو اب تک ان کھلے نشانات کو دیکھ کر اعراض کر رہے ہیں۔

وکاین من آیۃ فی السمٰوٰت والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون (یوسف ع ۱۲)

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔

قرآن مجید کی پیشگوئیوں میں سے ایک عظیم الشان پیشگوئی[1]

قتل دجال کا ذکر سورۂ بقرہ میں

قرآن مجید علوم و معارف کا وہ بے پایاں خزانہ ہے جس کے دروازے
ہمیشہ کے لئے کھلے ہیں۔ پیشگوئیوں اور اخبار مستقبلہ کے لئے بحر ذخار ہے
اس میں ہر زمانہ کے متعلق انبائے غیبیہ بکثرت موجود ہیں۔ قرآن مجید کا دعویٰ
ہے۔ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ
مُّبِينٍ (سورہ نمل رکوع ۶) زمانہ نزول قرآن سے لے کر آخری زمانہ
تک کے ان حالات کے بیان پر مشتمل ہے جب کہ نیر اسلام کی شعاعیں
اکناف عالم میں پہنچ کر أَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا کی
تجلی سے خطہ ارضی کو بقعہ نور بنا رہی ہوں گی۔ قرآن مجید میں جس طرح
نشأۃ اولیٰ کے اولین دور کی تفصیلات بیان فرمائی گئی ہیں اس طرح اس

---

[1] یہ مضمون رسالہ الفرقان ۱۹۴۳ء (فروری و مارچ) میں شائع ہوا تھا۔ اور اس کے متعلق مدیر رسالہ محترم مولانا ابو الاعلیٰ صاحب نے یہ نوٹ رقم فرمایا۔ "ذیل کا مضمون محترم مولوی عبد اللطیف صاحب فاضل بہاولپوری نے اپنے خاص ذوق کے مطابق تحریر فرمایا ہے۔ ہمارے قارئین کرام اس سے بہت علمی فائدے حاصل کریں گے اگر کسی جزئی سے اختلاف ہو تو یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے اسرار لا تعد ولا تحصیٰ ہیں اس لئے کلی اتفاق ہونا لازمی نہیں (ایڈیٹر)"

کی نشاۃ ثانیہ کی تفصیلات بھی اور قدر کثرت۔ تواتر اور تفصیلی واقعات جزئیہ تک، کے ساتھ بیان ہوئی ہیں جسے دیکھ کر حیرت ہوتی اور پڑھنے سے ایمان تازہ ہوتا اور علم و عرفان کی چاشنی سے دل مسرور اور مست ہو کر پیشگوئی وانھار من خمر لذۃ للشربین کی تصدیق شہادت ادا کرتا ہے۔

قرآن مجید کے قصص و اخبار کو پیشگوئیاں سمجھ کر انہیں حالات حاضرہ پر چسپاں کرتا یا بالفاظ دیگر حالاتِ حاضرہ کا جائزہ فرقان حمید کی روشنی میں لینا یہ ذوق صحابہ و تابعین کے مقدس دور میں تو بکثرت ملتا ہے مگر بعد میں جوں جوں زمانہ نبوی سے بُعد ہوتا گیا افسوس کہ اس میں کمی آتی گئی اور ماشاء اللہ اس کا باعث کچھ تو سیاسی کشمکش تھی جب کہ دُور ملوکیت میں جابر سلاطین کے اقتدار و تسلط کے باعث انکا ظالمانہ ہاتھ ان امور کے بر ملا اظہار میں مانع تھا۔ بلکہ صحابہ کے آخری دَور میں بھی بعض شہادتیں اس کے متعلق ملتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ کی روایت سے واضح ہے۔ حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعائین اما احدھما فبثثتہ واما الاٰخر فلو بثثتہ لقطع بلعومی ھذا (مشکوٰۃ) اور کچھ اس کا سبب یہ بھی تھا کہ قرآن مجید کا مطالعہ و مراقبہ اس نقطۂ نظر سے کرنے کا رواج ہی بدل گیا۔ اب ان پیشگوئیوں کو محض عالمِ آخرت سے ہی متعلق تصور کر کے انہیں آئندہ زندگی پر چسپاں کیا جانے لگا۔ جیسا کہ

کتب تفاسیر جو ان زمانوں میں لکھی گئیں اُن کے مضامین اس پر شاہد ہیں۔ اور جن اقوام و امم گذشتہ کے قصص و واقعات کا تذکرہ قرآن مجید میں آیا تھا ان کو تو قصاص واعظ نے محض مجالس وعظ کو گرمانے اور عوام کو بہلانے کا ذریعہ قرار دے دیا۔ اس طرح قرآن پاک کو مخالفین کے اعتراض ان ھذا الا اساطیر الاولین کا مورد طعن اور نشان ہدف بنا دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون یہاں تک کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مبعوث ہو کر جس طرح مسلمانوں کو عام اعتقادی اور علمی اور عملی غلطیوں کی اصلاح فرمائی اسی طرح اس غلطی کی طرف بھی توجہ دلاتے ہوئے فرمایا۔

"قرآن شریف صرف قصہ گو کی طرح نہیں ہے بلکہ اس کے ہر قصہ کے نیچے ایک پیشگوئی ہے" (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۱)

اور فرمایا۔

"جو قرآن مجید کو قصے سمجھے وہ میرے نزدیک مومن نہیں"

(بدر ۱۶ جنوری ۱۹۰۸ء ص۱۱)

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی مصلح موعود ایدہ اللہ الودود جو حسن و احسان میں آپ کے ہی مثیل ہیں فرماتے ہیں۔

"قرآن کریم تو جو تاریخی واقعہ بیان کرتا ہے وہ صرف یہ خبر دینے کے لئے کرتا ہے کہ آئندہ مسلمانوں سے بھی ایسا ہی ہونے والا ہے، چنانچہ ایک بھی تاریخی واقعہ قرآن کریم میں

ایسا بیان نہیں ہوا کہ جس کے مشابہ واقعہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کی امت سے سابقہ نہ گزرا ہو۔ یا جو آئندہ نہ گزرنے والا ہو۔" (تفسیر کبیر ص ۴ ۱۴ بضمن تفسیر سورۃ ھود)

بنابریں حالات ہمارا فرض ہے کہ قرآن کریم کا مطالعہ اسی نقطۂ نظر رکھ کر کریں۔ ان قصص اور اخبار کو آئندہ پیش آنے والے واقعات کا بدرقہ یا مشعلِ راہ سمجھیں اور اسی آئینہ میں ان حقائق غیبیہ کی تصاویر کا مشاہدہ کریں۔ مثال کے طور پر سورۂ بقرہ کو لیجئے اس کا نام محض اس لئے نہیں رکھا گیا کہ اس میں حضرت موسیٰ کے زمانہ کا ایک قصہ ہے جب کہ بنی اسرائیل کو ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ بلکہ اس میں اس عظیم الشان فتنہ کے استیصال کی پیشگوئی ہے جس سے تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو ڈراتے آئے ہیں۔ یعنی فتنۂ دجال مسلمانوں میں اس کی ابتدا خلیفہ وقت کے قتل سے ہوئی جس کے نتیجہ میں آخر اسلامی نظام (نظامِ خلافت) ٹوٹ گیا اور دجالی اقوام کو حدودِ اسلامی میں گھسنے کا موقع مل گیا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ رؤیا پوری ہوئی جو فرمایا تھا ویلٌ للعرب من شرٍ قد اقترب اور انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج ھٰکذا (بخاری)

اس سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ان آنے والے واقعات کا لطیف پیرایہ میں ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ آیت اذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ کے ذریعہ اس امر کا اعلان کیا گیا کہ وہ

عظیم الشان خلیفۃ اللہ (واضح ہو کہ خلیفۃً کی تنوین برائے تعظیم ہے) وہ محمد
نبی جس کی بعثت کے متعلق انبیاء سابقین بشارتیں دیتے آئے ہیں وہ اب
مبعوث ہو چکا ہے اور اس کی بعثت سے عالمگیر شریعت کا نیا دَورِ جدید
شروع ہو چکا ہے اس نئے دَور کے آدمِ وقت کی ذات میں تمام علوم اولین
و آخرین کی تکمیل کر دی گئی ہے۔ وعلّم آدم الاسماء کلّھا
(حدیث علّمت علم الاولین والآخرین بھی درحقیقت اس
آیت کی تفسیر ہے) اب قوموں کی راحت اور امنِ عالم کا نظام اس
آدمِ وقت کی اتباع سے وابستہ ہے۔ یا آدم اسکن انت و
زوجک الجنۃ پہلے انبیاء علیہم السلام جو اپنے اپنے وقتوں میں مختلف
خطوں اور قوموں میں مبعوث ہو کر حکومتِ الٰہیہ یا آسمانی بادشاہت
کے نظام کو قائم کرنے میں مصروفِ عمل رہے۔ اب ان کی تکمیل کا وقت
آپہنچا اور وہ آسمانی بادشاہت حسب پیشگوئی حضرت مسیح علیہ السلام
ان اقوام سے جو اس کے سنبھالنے کی قابلیت و استعداد کھو بیٹھے تھے۔
چھین کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو دی گئی۔ جیسا کہ انجیل
میں آیا ہے کہ مسیح نے کہا۔

"میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی
جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائیگی"۔
(متی ۲۱/۴۳)

یہ حکومت الٰہیہ خلافت اسلامیہ کے نام سے موسوم ہے اور ہر ایک قسم

گی آسمانی اور زمینی برکتیں اس نظام سے مربوط ہیں چنانچہ وکلا منھا رغداً حیث شئتما اسی مضمون کی طرف اشارہ کر رہا ہے آگے فرمایا۔ اے مسلمانو! تم اس اسلامی نظام (نظام خلافت) کو چھوڑ کر دوسری نظام (طاغوتی طریق آمریت اور دجالی تہذیب مغربیت کو اختیار نہ کرنا۔ ورنہ تم ظالم ہو جاؤ گے۔ ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظلمین اس میں اشارہ ہے کہ ایک وقت مسلمان اس ارشاد الہٰی کی خلاف ورزی کر کے خلافت راشدہ کی نعمت عظمیٰ سے محروم ہو جائیں گے۔ افسوس بہت عرصہ نہ گذرا کہ مسلمان اس ارشاد ربانی کو فراموش کر کے زمانہ جاہلیت کی شخصی حکومت اور قیصر و کسریٰ کی ملوکیت کی طرف جھک پڑے (آیت فازلھما الشیطٰن عنھا فاخرجھما مما کانا فیہ میں اس طرف اشارہ ہے، جس کے نتیجہ میں نظام خلافت ٹوٹ گیا اور خلافت راشدہ ہٹ کر اس کی بجائے ظالمانہ حکومت (آمریت) قائم ہو گئی جیسا کہ حدیث میں پیشگوئی فرمائی گئی تھی۔ الخلافۃ ثلثون سنۃ ثم تکون ملکاً (مشکوٰۃ الباب الفتن)

واضح ہو کہ ہر وحی خفی (حدیث)، کا منبع وحی جلی (قرآن مجید) ہے لہٰذا ہر حدیث کا ماخذ قرآن حکیم سے تلاش کرنا چاہیئے۔ اور جب ہم قرآن مجید کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ثلثون سنۃ کا ماخذ بھی قرآن حکیم میں موجود پاتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ اعراف رکوع ۱۷ میں آتا ہے۔ وٰعدنا موسیٰ ثلثین لیلۃً واتممنٰھا بعشر فتم میقات ربہ

اربعین لیلۃ اس میں ایک لطیف پیرایہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (جو مثیل موسیٰ ہیں) کے واقعات کی طرف بھی اشارہ ہے اگر دس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مدنی دور والے شمار کئے جائیں تو اسلامی خلافت کے قیام کی مدت چالیس سال بنتی ہے۔ پھر فرمایا۔ وقلنا اھبطوا بعضکم لبعض ع۔ و جس میں اشارہ ہے کہ وہ نظام خلافت جو تمہارے قومی اتحاد کا حقیقی ذریعہ تھا۔ اس کے ٹوٹنے پر تمہاری آپس میں پھوٹ اور عداوت بڑھے گی۔ تب تم اسلامی خلافت کے آسمانی نظام سے محروم ہو کر ملوکیت کے ارضی نظام میں ایک عرصہ تک منسلک رہو گے۔ ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ضلالت کے لحاظ سے یہ زمانہ فیج اعوج کہلائیگا جس میں الدجال۔ الخناس۔ ہاں وہ بڑا اژدھا اپنی پرانی کینچلی اتار کر دنیا میں حملہ کے لیے نکل کھڑا ہوگا۔ اور قوم یاجوج ماجوج مطابق پیشگوئی وھم من کل حدب ینسلون ہر ایک طرح کی رفعت و بلندی کے زمینی اسباب سے مسلح ہو کر اطراف عالم میں پھیل جائے گی اور مذہب اسلام اور مسلمانوں پر ایسا زور سے حملہ کرے گی جس کی تاب وہ نہیں لاسکیں گے۔ بلکہ اس رَو میں بہتے ہوتے فتنۂ ارتداد کا شکار ہو کر لاکھوں مسلمان عیسائیت کی آغوش میں جا پڑیں گے۔ تب غیرت الٰہی جوش میں آئے گی اور حسب وعدہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کو نئے سرے سے زندگی عطا کرنے

کے لئے اللہ تعالیٰ مسیح موعود اور مہدی معہود کو مبعوث فرمائے گا جو اپنے وقت کا آدم ہوگا جس کی طرف اگلی آیت میں یوں اشارہ ہے۔ فتلقی ادم من ربہ کلمات۔ پس یہ آدم وقت اللہ تعالیٰ سے تازہ وحی اور آسمانی نشانات حاصل کرکے ان کے ذریعہ اسلام کا بول بالا کرے گا وہ اسلام اور قرآن جو دنیا سے اٹھ کر آسمان پر پرواز کر چکا ہوگا دوبارہ اسے واپس لاکر آسمانی برکات دنیا میں جاری کرے گا۔ تب اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ سے پھر مسلمانوں پر مہربان ہو کر ان کو ذلت وادبار کے گڑھے سے نکال کر فتح و اقتدار بخشے گا۔ فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم میں یہی بشارت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس کی صورت کیونکر ہوگی۔ فرمایا قلنا اھبطوا منھا جمیعاً یعنی مسلمانوں کے متعلق حکم تکوینی صادر ہوگا کہ اب تم اس پہلی ادنیٰ حالت ارضی سے نکلو اور تشتت و انتشار اور باہمی عداوت اور پھوٹ کو چھوڑ کر اتحاد و اجتماع کے ساتھ اس مضبوط چٹان پر قائم ہو جاؤ اور حبل اللہ کو اس زور و قوت کے ساتھ پکڑو کہ تمہیں دنیا کی زبردست سے زبردست طاقت اور بڑے سے بڑا انتشار اس جگہ سے نہ ہلا سکے۔ اس ارشاد الٰہی کی تعمیل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی یہ تازہ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

"سب مسلمانوں کو جو روئے زمین پر ہیں جمع کرو۔

علیٰ دین واحدٍ" (تذکرہ صفحہ ۵۲۰)

اور حضورؑ اس الہام کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ امر جو ہے کہ سب مسلمانوں کو جو روئے زمین پر ہیں جمع کرو علیٰ دینٍ واحدٍ۔ یہ ایک خاص قسم کا امر ہے احکام اور امر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ جیسے نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دو۔ خون نہ کرو وغیرہ۔ اس قسم کے اوامر میں ایک پیشگوئی بھی ہوتی ہے کہ گویا بعض ایسے بھی ہوں گے جو اس کی خلاف ورزی کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ غرض یہ امر شرعی ہے۔ اور یہ اصطلاح شریعت ہے۔ دوسرا امر کونی ہوتا ہے اور یہ احکام اور امر قضاء و قدر کے رنگ میں ہوتے ہیں۔ جیسے قُلنا یا نارُ کونی برداً وسلاماً اور وہ پورے طور پر وقوع میں آگیا اور یہ امر جو میرے اس الہام میں ہے یہ بھی اسی قسم کا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلمانان روئے زمین علیٰ دینٍ واحدٍ جمع ہوں اور وہ ہو کر رہیں گے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ ان میں کوئی کسی قسم کا بھی اختلاف نہ رہے۔ اختلاف بھی رہے گا۔ مگر وہ ایسا ہوگا جو قابلِ ذکر اور قابلِ لحاظ نہیں"۔

(الحکم مؤرخہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲)

واضح ہو کہ ہبوط کا دو دفعہ ذکر آیا ہے ایک ہبوط تو وہ تھا جب کہ مسلمانوں کے کرتوت بد کے باعث سلسلہ خلافت ٹوٹ کر ان پر ملوکیت کا دور مسلط کیا گیا۔ یہ ہبوط تنزلی تھا جس کے نتیجہ میں ان کی آپس میں پھوٹ

اور عداوت پڑ کر وحدت ملی پارہ پارہ ہو گئی۔ اور اب یہ دوسرا ہبوط ہبوط ارتقائی ہے جو دراصل صعود ہے۔ اور اس تنزلی ہبوط سے خروج ہے۔ چنانچہ ہبوط کے معنی خروج کے بھی ہیں۔ الخروج من البلد والدخول فیھا من الاضداد۔ (روح المعانی)

اس ہبوط کے شاندار مستقبل کا نقشہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام میں یوں کھینچا گیا ہے:

"بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار[1] بلند تر محکم افتاد" (تذکرہ ص...)

---

[1] یہ منار بلند ترکیا ہے اس کے لئے بھی آپ کو قرآن حکیم کی طرف رجوع کرنا چاہیئے وہ کتاب جو تبیانا لکل شئی ہے اس کے بیان سے کیونکر خالی ہو سکتی تھی آپ اگر بنظر غائر مطالعہ فرمادیں تو آپ کو سورۃ اعراف میں اس کی یوں بشارت ملے گی۔ وعلی الاعراف رجال یعرفون کلا بسیماھم الآیہ یہ اعراف کیا ہے اور اہل اعراف کون ہیں؟ اس کے متعلق مفسرین کے بیس سے زائد اقوال ہیں جو بظاہر اس قدر متخالف اور متضاد ہیں جن کو دیکھ کر بادی النظر میں انسان گھبرا اٹھتا ہے۔ مگر متلاشی حق اور حقیقت شناس کو گھبرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ دراصل ان میں ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلوؤں کا بیان نئے نئے پیرایہ میں واضح نظر آتا ہے۔

عباراتنا شتی وحسنک واحد ؎ وکل الی ذاک الجمال یشیر

سنو اس ہبوط کی تفسیر میں وہ ارشاد نبوی ہے جو فرمایا۔
ثم تکون خلافۃ علی منہاج نبوۃ۔
(احمد و البیہقی بحوالہ مشکوۃ کتاب الفتن)

اور سلف صالحین بھی اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرما گئے۔ ہبوط ولایتہ واستخلاف لا ہبوط طرد (فتوحات مکیہ للشیخ ابن العربی جلد ۲ باب ۴ ص ۳۷) کہاں ہیں وہ حضرات جو اس حدیث نبوی پر جرح و تنقید کر کے اسے ساقط الاعتبار ٹھیرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی مساعی کیوں کر بار آور ہو سکتی ہیں جب کہ اس کا مأخذ ہم بیّن اور واضح طور پر قرآن حکیم میں موجود پاتے ہیں۔ آگے اس ہبوط (ہبوط استخلاف) سے بہرہ ور ہونے والوں کو ان کے فریضے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے جس کے نظر انداز کرنے سے پہلے دور میں مسلمان خلافت الٰہی جیسی اعلیٰ نعمت سے محروم رہ گئے ارشاد فرمایا۔

فاما یاتینکم منی ھدیً فمن تبع ھدای
فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

یعنی وہ آسمانی سکیم جو خدا کا ہادی لائے گا اور تمہارا ہادی بن کر تم پر جو کچھ پیش کرے گا اس کی اتباع ہی تمہاری ہر ایک قسم کی کامیابی کی ضامن ہوگی

(بقیہ ص ۴۷): اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو کسی وقت احباب کی خدمت میں اس کی حقیقت کا انکشاف جو خاکسار پر ہوا ہے اس پر اظہار خیال کروں گا۔ یہ بھی دراصل ایک پیشگوئی تھی جو اس زمانہ میں عین وقت پر پوری ہو رہی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اور خوف و حزن سے مطمئن کر کے اسی دنیا میں تمہیں جنت کا مقام عطا کرے گی۔ اس کے مقابل زمینی سکیمیں بجائے قلبی اطمینان اور تسکین کے ظلم و فساد اور حسرت و ناکامی کی آگ بھڑکانے والی ہوں گی ان سے بچنا۔

لاخوف لھم نہیں فرمایا۔ کیونکہ بعض قسم کے خوف بطور ابتلاء ضرور آئیں گے۔ جیسا کہ آیت ولنبلونکم بشیءٍ من الخوف میں ذکر ہے۔ مگر یاد رہے کہ دوسری جگہ ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا کی بشارت بھی موجود ہے۔ مطلب یہ کہ خوف ان پر مسلط نہیں ہوگا جو قومی اور جماعتی لحاظ سے ان پر چھا جائے۔ جب قوم پر خوف مسلط ہو جاتا ہے تو اس کی ذہنیت پست ہو کر اسکی ترقی رک جاتی ہے۔ ہاں آخر وہ مردہ ہو جاتی ہے ایسا نہیں ہوگا۔

اس آیت پر غور کیجئے۔ وہ لوگ جو ان احادیث کو بنظر استخفاف دیکھتے ہیں جن میں مہدی کا ذکر آیا ہے۔ اور عقیدہ مہدی کو غیر اسلامی قرار دیتے ہیں۔ انہیں ٹھنڈے دل سے اس ارشادِ ربانی پر غور کرنا چاہیے جو فرمایا۔ امّا یاتینّکم منّی ھدًی۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا آنا کسی مامور کی بعثت کے بغیر کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت لانے والا مہدی نہیں کہلا سکتا تو اُسے اور کیا کہا جا سکتا ہے اور اگر آپ بنظر امعان قرآن حکیم پر نگاہ ڈالیں تو قرآن مجید میں آپ اسی قسم کی ترکیب ایک دوسری جگہ بھی پائیں گے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ وہاں ھدًی کی بجائے رُسُل ہے۔ چنانچہ سورۃ اعراف رکوع ۴

میں ہے۔ یا بنی آدم اما یاتینکم رسل منکم اگر یہ سچ ہے کہ اخوان یفسر بعضہ بعضاً تو پھر کیوں نہ سورۂ اعراف کی آیت کو یا تینکم منی ھدیً کی تفسیر سمجھیں۔ پس اس وقت مصدر ھدیً کو معنی مھدی قرار دے کر اس ترکیب کو زید عدلٌ کی ترکیب کی طرح سمجھا جائے۔ پس اس وقت ترجمۂ آیت یوں ہوگا "جب مجسمہ ہدایت (یعنی مھدی) میری طرف سے تمہارے پاس آئے گا" منی کے لفظ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ رسول ہوگا اور سورۂ اعراف کی رُو سے ثابت ہے کہ وہ بہت سے رسولوں کا مظہر بھی ہوگا۔ جیسا کہ سورۂ مرسلات کی آیت واذا الرسل اقتت میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔

اب آگے پانچویں رکوع سے جو بنی اسرائیل کو خطابات ہیں انہیں صرف اسی قوم کے لئے ہی نہ سمجھا جائے بلکہ ان خطابات کا روئے سخن یقیناً اس بگڑی ہوئی امت کے ان نفوس کی طرف بھی ہے جنہوں نے یہود کے نقشِ قدم پر چل کر اور ان کے مثیل بن کر ان کا ہی نام پایا۔ جس کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی تھی لتتبعن سنن من کان قبلکم حذو النعل بالنعل اور وہ واقعات جو اس قوم یہود کے اسلاف پر گزرے۔ ان کا تذکرہ درحقیقت پیشگوئیاں ہیں جو اس امت میں بھی وہ واقعات کسی نہ کسی رنگ میں پیدا ہونے والے تھے۔ اگر میں ان سب کو بیان کروں تو یہ مضمون بہت لمبا ہو جائے گا۔ اس لئے انہیں نظر انداز کرتے ہوئے اب میں اپنے اصل مضمون کی طرف

آتا ہوں جو سورۂ بقرہ کی وجہ تسمیہ سے تعلق رکھتا ہے ۔

اسی سورۃ میں اس کا ذکر یوں ہے واذ قال موسیٰ لقومہ ان اللہ یأمرکم ان تذبحوا بقرۃ ۔ اس میں اشارہ ہے کہ ایک وقت میں حضرت مسیح موعود جو مثیل موسیٰ بھی ہیں اپنی قوم کو اس فرض کی طرف توجہ دلائیں گے کہ اس عظیم الشان فتنہ فتنہ دجال (البقرہ) کو ملیا میٹ کرنے میں میرے ممد و معاون ہو ۔ جو لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے جس کی طرف تسر الناظرین میں اشارہ ہے یعنی عیسائیت کا پرزور مقابلہ کرو ۔ مغربیت کے اثر کو مٹا ڈالو ۔ رتثلیث کے مقابل علم توحید کو بلند کرو مگر چونکہ یہ لوگ دجال سے مرعوب اور مغربی تہذیب کے دلدادہ ہوں گے اور عیسائیت کے تبلیغی نظام سے اس قدر مبہوت ہونگے کہ انکے خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکے گی کہ اس کے مقابل اسلام کا تبلیغی نظام قائم کیا جا سکے تب کہیں گے ۔ اتتخذنا ھزوا کیا آپ ہم سے ٹھٹھا کرتے ہیں بھلا ایسی قوم کے مقابل جس کی تہذیب و سطوت کا شہرہ چہار دانگ عالم میں ہے ۔ سیاسیات و اقتصادیات کے وہ مالک ہیں مشرق و مغرب میں اس قوم کی حکومت ہے ۔ عیسائیت کے تبلیغی نظام کا جال تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے عیسائی مشنریوں کی پشت پناہ بڑے بڑے امراء اور کروڑپتی ہیں اور علمی لحاظ سے بڑے بڑے فاضل ، ڈاکٹر ، فلاسفر اور سیاستدان انکے ہمجرات ہیں لاکھوں نہیں کروڑ ہا روپیہ عیسائیت کی تبلیغ پر صرف کیا جا رہا ہے ۔ انکے مقابل اسلام کی تبلیغ کیونکر کامیاب ہو سکتی ہے ۔ چنانچہ اسی رعب کی وجہ تبلیغی مقابلہ کا خیال تو جانے

خود بلکہ اُن کتب کو بھی خریدنے اور ان کی اشاعت سے بھی وہ ڈرنے لگیں گے۔ جو اسلام کی حمایت میں لکھی گئی ہوں گی۔ چنانچہ ابتداء میں جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براہین احمدیہ شائع کی اور اس کی ایک کاپی نواب صدیق حسن خان صاحب آف بھوپال کو بھیجی تو انہوں نے مرعوب ذہنیت کی بناء پر کتاب لینے سے کنارہ کشی کی اور یہ عذر کرکے واپس کر دی کہ اس سے گورنمنٹ ناراض ہوگی۔ یہ نقشہ اور نمونہ ہے اس کیفیت کا جس کی طرف آگے ان الفاظ کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے کہ دما

(موجودہ زمانہ میں وہ عظیم الشان ورشتی گائے مسیحی قوم ہے

بقرۃٌ میں تنوین تعظیم کی ہے یعنی وہ عظیم الشان گائے یا بیل جس کی تہذیب کا اثر دنیا کے اکثر حصہ پر پڑ رہا ہے۔ اس سے مراد مسیحی قوم ہے اور وحدتِ نوعی کی بناء پر اسے مفرد لفظ بقرۃ سے ذکر کیا گیا۔ جیسا کہ حدیث میں بھی دجال کا لفظ مفرد استعمال ہوا ہے۔

اس بقرہ کو حضرت دانیال نبی نے ایک ہولناک حیوان کی شکل میں سمندر سے نکلتے ہوئے دیکھا جو نہایت ہیبت ناک اور زبردست تھا اور اس کے دانت لوہے کے اور بڑے بڑے تھے اور دس سینگ تھے۔ اور ان کے درمیان سے ایک اور چھوٹا سا سینگ نکلا اور وہ سینگ مقدسوں سے جنگ کرتا اور ان پر غالب آتا رہا۔ جب تک کہ قدیم الایام نہ آیا اس کے آنے پہ تخت لگائے گئے۔ قدیم الایام بیٹھ گیا۔ عدالت جاری ہوئی۔ کتابیں کھلیں۔ آخر وہ حیوان مارا گیا۔ (دانی ایل ۷ ۲ تا ۱۴) اور ملاحظہ

میں بھی اس حیوان کے متعلق ذکر موجود ہے (دیکھو مکاشفہ ۱۳ باب)
واضح رہے کہ قدیم الایام سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں جن کے متعلق
قدیم الایام سے پیشگوئیاں کی جاتی رہیں۔ جو مختلف قوموں اور مذہبوں
میں موجود ہیں۔ انہی پیشگوئیوں کی بنا پر آپ موعود اقوام ہیں۔

انسانی گروہ پر بقرہ کے اطلاق ہونے کی شہادت بائیبل سے

ایک گروہ یا امت کو گائے کہنے کا محاورہ بائیبل میں بھی ہے چنانچہ عاموس ۴ میں ہے
"اے بن کی گایو جو کوہ سامریہ پر رہتی ہو۔"
زبور ۲۲ میں ہے۔
"بن کے زور آور سانڈ مجھے گھیرے ہوئے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ تو
نے سانڈوں کے سینگوں سے مجھے چھڑایا ہے۔"

بقرہ کے ذکر سے دجالی گروہ مسیحی اقوام کی طرف اشارہ ہونے کے شواہد و دلائل قرآن مجید سے

اس بقرہ کی تشخیص و تعیین کے متعلق قوم موسیٰ کی طرف سے جو سوالات
ہوئے اور ان کے جواب میں جو جو علامتیں بتائی گئیں وہ بھی سب ان
مسیحی اقوام میں پائی جاتی ہیں۔

(۱) پہلی علامت:۔ انها بقرة صفراء[1] حدیث میں بھی

---

[1] یہاں تو اس قوم کو استعارةً زرد گائے فرمایا۔ اور سورۃ مرسلات میں اسی قوم

رومی قوم اور عیسائی حکومت کو بنو الاصفر کہا گیا ہے (بخاری) اقلتا ریخ میں بھی یہ زرد قوم کے نام سے موسوم ہے۔ اگرچہ سفید اقوام بھی عیسائیت کی متبع اور اس کی اشاعت کے جوش میں پیش پیش ہیں مگر عیسائیت کا مذہبی مرکز حکمتِ الٰہی کے ماتحت ہمیشہ اسی خطہ میں رہا جو زرد اقوام کا خطہ ہے یعنی روم۔

(بقیہ صفحہ ۵۳) کے فتنہ تثلیث - یورپین تہذیب اور فلسفہ مغرب کو کالقصر کانہ جمالت صفر کے تشبیہی بیان سے ذکر فرمایا جس میں اشارہ ہے کہ ایک وقت لوگ دجالی تہذیب کی سحر آفرینیوں سے مسحور ہو کر اسے اپنے ملکی تحفظ و بقاء کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا محل جاننے لگیں گے اور استحکام ملت کے لئے گویا اسے ایک مضبوط قلعہ سمجھ رہے ہوں گے اور قومی ترقی کے منازل سلوک طے کرنے کیلئے گویا اسے محمل تیز گام اور سُرخ اونٹ کی طرح ایک قیمتی متاع قرار دینے ہونگے عربوں کے نزدیک سرخ اونٹ ایک بڑی قیمتی چیز سمجھا جاتا تھا جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ دجالی اقتدار نفوذ سے عربی ممالک بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا - پچھلی عالمگیر جنگ میں آخر انگریزوں نے عربوں کو اکسا کر ترکوں کے مقابل محاذ جنگ پر لا کھڑا کیا جس کے متعلق اسی سورۃ بقرہ کی آیت ۱۶ میں بھی پیشگوئی ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ پھر کسی وقت پیش کی جائے گی مگر جیسا کہ قرآن مجید میں بھی اشارۃً اور احادیث میں صراحۃً یہ پیشگوئی تھی کہ دجال کے حملے سے حرمین محفوظ رہیں گے۔ سو الحمد للہ ایسا ہی ہوا۔ ملائکہ قدوس کے غیر مرئی ہاتھوں نے اس کے منصوبہ

(۲)۔ دوسری علامت، "تسترا انسا ظرین" ۔ ان کی تہذیب وتمدن ۔ ان
کی صنعت وحرفت اور ایجاد و اختراع لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کئے
ہوئے ہے باوجود نقصان اٹھانے کے پھر بھی لوگ اسی پر لٹو ہو رہے ہیں۔

(۳)۔ تیسری علامت، "لا ذلول" ۔ ذل البعیر سھل القیادۃ
میں اشارہ ہے کہ یہ اقوام سیاسی واقتصادی لحاظ سے اس قدر طاقتور ہوں گی
کہ انہیں قابو میں لانا آسان نہیں ہوگا۔ حدیث میں بھی ان کی یہی علامت مذکور
ہے۔ لا یدان لاحد بقتالھم (صحیح مسلم) ان سے مقابلہ کی کسی کو
طاقت نہیں ہوگی۔

دوسرے معنے "ذلول" کے یہ ہیں کہ یہ قوم اپنی گردن کو مذہبی جوئے تلے
نہیں لائی ہوگی۔ ان کی تہذیب وتمدن کے قوانین میں حیوانی خواہشات اور
نفسانی شہوات کے پورا کرنے کے لئے تو گنجائش ہوگی۔ مگر انسانیت اور
اخلاق و روحانیت کے شجرۂ طیبہ کی آبیاری کے لئے ان کے ہاں کوئی ضابطہ
نہیں ہوگا۔ تہذیب انسانی کی زمین کو طاقتور بنانے اور اس میں قلبہ رانی
کرنے کے لئے ان کے دائرہ تہذیب میں کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴) وہ چھاپے لگائے جس سے اسکا رُخ پھر گیا۔ دجال کی طرح سانپیاں سحر آفرینیاں، مدبرانہ
منصوبہ بندیاں دھری کی دھری رہ گئیں۔ سیاسی حالات نے پلٹا کھایا! ابھی کچھ دور انقلابات
کے متعدد ہیں جن کے درمیان کچھ وقفہ ہے ان دلچسپ اسرار اور باریک رموز کے لئے آپ کو
سورۂ بنی اسرائیل کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے۔

اقوام عالم کے امن کے خواہشمندوں کی پیاس بجھانے اور تسکین قلوب کا ان کے پاس کوئی سامان ہوگا۔ تثیر الارض ولا تسقی الحرث میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

سورۂ روم میں اس رومی قوم کے غلبہ کی پیشگوئی وھم من بعد غلبھم سیغلبون کے الفاظ میں فرماتے ہوئے اس فرض کی طرف بھی انہیں توجہ دلائی گئی اور ان الفاظ میں انہیں متنبہ کیا گیا ہے۔ اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم کانوا اشد منھم قوۃ واثاروا الارض وعمروھا اکثر مما عمروھا وجاءتھم رسلھم بالبینٰت فما کان اللہ لیظلمھم ولٰکن کانوا انفسھم یظلمون۔

(سورۂ روم ع ۱)

(۴) چوتھی علامت:۔ مسلّمۃ۔ تندرست۔ جملہ بیماریوں اور خرابیوں سے محفوظ اور بچی ہوئی (تفسیر کبیر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) یہ وصف بھی ان اقوام کی خصوصیت ہے۔ حفظانِ صحت صفائی اور نظافت میں یہ اقوام ضرب المثل ہیں۔

(۵)۔ پانچویں علامت:۔ لا شیۃ فیھا۔ اس کا رنگ ایک جیسا ہے۔ کوئی اور غیر رنگ اس میں نہیں پایا جاتا۔ (تفسیر کبیر) یہ علامت بھی ان اقوام میں واضح طور پر موجود ہے۔ اپنے قومی و ملکی خصائص، تہذیب و تمدن، لباس و خوراک وغیرہ میں یہ لوگ ہرگز دوسری اقوام کا اثر نہیں لیتے

ان کا لباس ایک یونیفارم میں ہوتا ہے ناممکن ہے کہ ان میں سے کوئی پگڑی باندھے یا ایشیائی قسم کا کوئی لباس پہن لے۔ ایشیائی قوموں کی عادت تھی کہ فاتح قوم مفتوح اقوام سے مل کر ان کے طرز تمدن، لباس وغیرہ میں شریک ہو جاتے۔ ہندوستان میں ہی سلطنت مغلیہ کو دیکھو۔ اکبر کے زمانہ میں نہ صرف عوام بلکہ سلاطین و امراء بھی ہندوانہ لباس میں اس طرح ملبوس نظر آتے ہیں کہ دیکھنے والا امتیاز ہی نہیں کر سکتا کہ یہ مسلمان ہیں۔

(۶) چھٹی علامت:- انھا بقرۃ لا فارض ولا بکر۔ ہاں ایک یہ علامت بھی پیش کی جا سکتی تھی۔ مگر اسے ہم نے پہلے اس لئے ذکر نہیں کیا کہ یہ نشان فریضۂ تبلیغ کے طریق کار سے متعلق ہے۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ اے مسلمانو! جب تم اعلائے کلمۃ اللہ کا فریضۂ جہاد ادا کرنے اور دجالی اثر و نفوذ ہٹانے کے لیے کھڑے ہو جاؤ تو تمہیں نظام کی پابندی کرنی ہوگی اور اس حملہ تبلیغ میں طریقۂ انتخاب سے کام لینا ہوگا۔ تمہارے تبلیغی جہاد کا حملہ اس طبقہ پر ہونا چاہیئے جو عمر طبعی کے لحاظ سے اس مقام پر نہ پہنچ چکے ہوں۔ جہاں انسان دوسرے کی اثر قبول کرنے کی استعداد و صلاحیت کھو بیٹھتا ہے لا فارض میں اسی طرف اشارہ ہے۔

اور نیز اس طبقہ پر بھی یہ تبلیغی حملہ نہیں ہوگا جو عمر کے اس دور میں سے گذر رہے ہوں۔ جہاں انہیں قانوناً کسی قسم کی قومی اور ملی تحریک میں حصہ لینے کی آزادی و حریت مسلم نہ ہو (یعنی نابالغ نہ ہوں) جب تک کہ ان کا ذہنی ارتقاء اس مقام پر نہ پہنچ جائے کہ مذہب کی خوبیوں کا جذبات کی رو میں نہیں بلکہ

عقل و فکر کی روشنی میں دیکھ اور جانچ پڑتال کر سکیں۔ وا جکو کا لفظ اس حقیقت کی طرف مشعر ہے۔ فذبحوھا وما کادوا یفعلون میں بشارت ہے کہ آخر ایک وقت مسلم قوم کی آنکھ کھلے گی اور اپنے ہادی اور مہدی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس فریضہ جہاد میں حصہ لے گی۔ تب دنیا میں انقلابی رَو پیدا ہو جائے گی۔ اور دجال پر اس زور سے حملہ ہوگا جس سے دجالی اثر و نفوذ ملیامیٹ ہو گا اور مغربیت کی رُوح کچلی جائے گی۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ انقلاب کب تک ہو گا۔ قرآن مجید جو کتاب ناطق ہے اس بیان سے خاموش نہیں آپ اگر غور کریں تو اسی جگہ انہی آیات میں آپ کو اس کا جواب مل جائے گا۔ حضرت موسیٰ کی قوم کے مطالبہ کا جو تین بار بایں الفاظ ذکر ہوا ہے۔ قالوا ادع لنا ربک یبین لنا یہ بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اس انقلاب کے لئے تین صد سال مقدر ہیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الہام الٰہی سے اطلاع پا کر فرمایا۔

"یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہیں اترے گا۔ ہمارے سب مخالف جواب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے۔ اور کوئی ان میں سے عیسیٰ ابن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا اور پھر ان کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور ان میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰ ابن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھیگا اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان

سے اترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گذر گیا اور دنیا دوسرے رنگ میں آگئی مگر مریم کا بیٹا عیسیٰ اب تک آسمان سے نہ اترا تب دانشمند یک دفعہ اسی عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے۔ اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے۔ اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا۔ اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔ (تذکرۃ الشہادتین ص۶۵)

فذبحوھا میں ایک لطیف نکتہ ہے۔ فقتلوھا یا عقروھا کے الفاظ نہیں آئے جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ دجال پر حملہ محض اس کی جان نکالنے اور ذات مٹانے کے لئے نہیں ہوگا بلکہ یہ حملہ ایسے رنگ میں ہوگا کہ اس کی وہ سرکشی اور تمرد جو اسے خدائے قدوس اور مذہب اسلام سے تھی مٹ جاتے اور ظلم وسفا کی رکھنے والا دم مسفوح نکل جائے اور اب وہ حلال اور طیب ہو کر اسلام اور مخلوق خدا کے لئے ایک مفید وجود بن سکے۔

بقرہ کے جنتیوں کی خوراک بننے کی پیشگوئی | یہاں تو اس کے ذبح کو نیکا ذکر ہے

مگر حدیث میں اس کے اہل جنت کی خوراک بننے کا بھی ذکر ہے۔ جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اسلام میں داخل ہو کر خدمتِ دین اور اشاعت اسلام میں مسلمانوں کا معاون و ناصر ہو گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللّٰہ علیہ وسلم تکون الارض یوم القیامۃ خبزۃً واحدۃً یتکفأ احدکم خبزتہ فی السفر نزلاً لاھل الجنۃ...... ثم قال الا اخبرک بادامھم بالام والنون۔

(متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الفتن باب الحشر)

ترجمہ:۔ ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن زمین روٹی کی طرح ہو گی جسے خدائے قہار اسی طرح الٹائے پلٹائے گا۔ جیسے مسافر سفر میں روٹی جلدی جلدی پکاتا ہے وہ روٹی جنتیوں کی مہمانی ہو گی۔ پھر فرمایا کیا تمہیں ان جنتیوں کے سالن کے متعلق نہ بتاؤں۔ فرمایا ان کا سالن بیل اور مچھلی ہو گا۔

اس حدیث میں ان انقلابات میں سے جو آخری زمانہ میں جلد جلد پیدا ہونے والے تھے اس انقلابی دور کا ذکر ہے۔ جب کہ دنیا سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے گویا ایک مٹھی میں آنے والی روٹی کی طرح ہو جائے گی۔ اور پھر خدائے جبار کے ہاتھوں سے اُسے بڑے زبردست جھٹکے لگیں گے۔

اور زور آور حملے ہوں گے جن کی وجہ سے آخر وہ مجبور ہو کر اپنی اصلاح کی طرف قدم اٹھائے گی اور غلبہ اور اقتدار کا نشہ اور احساس برتری جو حاکم قوموں کو محکوم اقوام سے ہوگا۔ اتر جائے گا۔ تب مساوات انسانی کے پلیٹ فارم پر سب دنیا صحیح طرح گامزن ہوگی جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے لا تریٰ فیھا عوجاً ولا امتاً چنانچہ خدا نے قدوس کی تازہ وحی میں بھی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی اسی مضمون کی طرف یوں توجہ دلائی گئی ہے۔

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا" (تذکرہ ص۱۰۱)

اس حدیث میں دو خوراکوں کا ذکر ہے ایک بیل اور دوسرے مچھلی ان دونوں کا مأخذ قرآن مجید میں موجود ہے۔ بیل کا تو یہاں ذکر ہے۔ اور مچھلی کا ذکر سورۂ کہف میں ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کشف کا ذکر ہے۔ بیل اور مچھلی سے مراد یاجوج اور ماجوج کی دو قومیں ہیں ایک خشکی میں رہنے والی بری قوم اور دوسری جزائر میں رہنے والی بحری اقوام۔ بیل روسی قوم ہے۔ کمیونزم کی بانی جس کی تحریک کا اثر زیادہ تر زمیندار طبقہ پر پڑ رہا ہے

مچھلی کا مسکن اقلیم ہفتم

اس مچھلی کی حیات سکونت کے متعلق سلف کی ایک روایت ہے۔

عن مجاهد قال كان يقال النون الحوت

الذی تحت الارض السابعۃ (ابن جریر)

اس روایت کو سرسری نگاہ سے دیکھ کر ہنسی مذاق میں نہ ٹال دینا میرے نزدیک یہ ایک قیمتی موتی ہے کسی بزرگ کا کشف ہے۔ جو حقیقت حال کے انکشاف میں مشعل راہ کا کام دیتا ہے۔ تحت الارض السابعۃ میں اشارہ ہے۔ ان جزائر کی طرف جو اقلیم ہفتم میں واقع ہیں۔ پرانے جغرافیہ یونانی میں کرہ ارض کو سات حصوں میں تقسیم کرکے ہفت اقلیم قرار دیا جاتا تھا۔ آپ اگر یونانی نقشہ کے کرۂ ارض پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو اقلیم ہفتم کے دوسرے درجہ میں انگلستان کا ملک نظر آئے گا اور یہی اس کا مسقط الرأس ہے۔ ان جزائر میں رہنے والی قوم یاجوج ماجوج کے مورثان اعلیٰ کے دو بت جوگلڈ ہال لنڈن میں نصب شدہ ہیں۔ ہمارے مضمون کی مزید تصدیقی شہادت دیتے ہیں۔

مشہور مؤرخ ابن خلدون کا بیان بھی سن لیجئے فرماتے ہیں:۔

”الاقلیم السابع۔ البحر المحیط قد غمر عامتہ من جہتہ الشمال الی وسط الجزء الخامس حیث یتصل بجبل قوقیا المحیط بیاجوج وماجوج۔ فالجزء الاول والثانی مغموران بالماء الا ما انکشف من جزیرۃ انکلترا۔“

(مقدمہ ابن خلدون فشا

مچھلی کا کھانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نصیب نہ ہوا بلکہ وہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے قبضہ سے نکل کر زندہ سمندر میں جا گھسا۔ واتخذ سبیلہٗ فی البحر عجباً (کہف ع) اس میں اشارہ ہے کہ اسلام کی اشاعت ان قوموں میں موسوی دور میں نہیں ہوگی۔ بلکہ اس مردِ خدا کے ذریعہ ہوگی جس کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس سے ملو اور اس سے حقائق و معارف سیکھو۔ فوجدا عبداً من عبادنا اٰتینٰہُ من لدنا علمًا یہ مبارک وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مگر اس پیشگوئی کے ظہور کے لئے بعثت ثانیہ کا وہ دور مقدر تھا۔ جب کہ مجمع البحرین کا موقعہ پیدا ہونا تھا۔ یعنی دو سلسلے اسرائیلی اور اسماعیلی کا اجتماع ایک برزخی وجود ذوالقرنین میں ہوگا۔ اور مسیح موعود علیہ السلام اس وقت مبعوث ہوں گے جب کہ مشرقی اور مغربی اقوام کے اتحاد کے لئے ایک پلیٹ فارم تیار ہو کر مجمع البحرین کا منظر پیش کرے گا۔ اس وقت اس عظیم الشان مچھلی کا نکالنا اس مردِ کامل کے لئے مقدر ہے۔ اسی کا ذکر حدیث بالا میں ہے۔ فتدبّروا

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

سبت کے دن میں شعائر اللہ کی بیحرمتی کرنیوالے نفوس

امت محمدیہ کے متعلق پیشگوئی سورۃ بقرہ میں

سورۃ بقرہ کی آیت ع۶۵ میں امت محمدیہ کے بعض ان افراد کے متعلق پچھلے مضمون میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ اس میں پیشگوئی ہے جب کہ وہ اسلام کے صحیح نصب العین (صراط مستقیم) کو نظر انداز کر کے اور یہود کے نقش قدم پر چل کر ان کے اطوار و کردار کا اعادہ کریں گے۔

وہ آیت یہ ہے۔ ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت فقلنا لھم کونوا قردۃً خاسئین۔

اس آیت کے متعلق مجھے عرصہ تک یہ عقدہ رہا کہ یہود کے لئے تو سبت کی بے حرمتی موجب عذاب و مواخذہ بن سکتی تھی۔ کیونکہ ان کے ہاں سبت کا دن قابل احترام تھا۔ مگر امت محمدیہ کے لئے سبت کی بیحرمتی کے کیا معنی جب کہ ان کے ہاں سبت کی بجائے جمعہ کا دن محترم اور عبادت کے لئے مقرر ہے۔ کافی عرصہ تک میں اس مخمصہ میں مبتلا رہا۔ بعض مفسرین کی یہ توجیہ بھی نظر سے گذری کہ امت محمدیہ کے لئے جمعہ کے دن کی ہی حیثیت ہے جو یہود میں سبت کی تھی۔ چنانچہ انہوں نے بھی مماثل یہود

بن کر جمعہ کے دن کی بے حرمتی کی یہاں تک کہ فرضیت جمعہ کے منصوص حکم کو ٹال کر اس بارہ میں وہ فقہی موشگافیاں پیدا کر دیں جن کی رُو بہت سی جگہوں میں امت محمدیہ پر جمعہ فرض نہیں رہتا۔ یہ تفسیر بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے مگر اس سے میرے قلب مضطرب کی تسکین نہ ہوتی تھی اور روح دربار الہٰی میں انکشاف حقیقت کے لئے تڑپ رہی تھی۔ آخر اس ذات ارحم الراحمین نے تضرعانہ دعاؤں کو سنا اور حقیقت شناسی کے لئے راہ کھول دی۔ ایک دفعہ جونہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس الہام پر نگاہ پڑی جو تذکرہ صفحہ ۴۲۲ ایڈیشن دوم میں بایں الفاظ ہے:۔

الذین اعتدوا منکم فی السبت۔ تب یکدم جیسے بجلی کوند جاتی ہے۔ آسمانی نور کی شعاع قلب پر پڑی اور نور آگہی عقدہ حل ہو گیا۔ فالحمد للہ۔

واضح رہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات خصوصاً وہ جو قرآنی الفاظ میں نازل ہوئے یقیناً وہ آیات قرآن کی تفسیر ہیں۔ اور ان الہامات کے ذریعہ گویا اس طرف توجہ دلائی جاتی ہے کہ قرآن حکیم کی ان آیتوں کی صحیح تفسیر اور ان کی پیشگوئیوں اور ان کے حقائق و معارف کے ظہور کا یہی وقت ہے اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

"اللہ تعالیٰ کی منشاء ہے کہ قرآن شریف کو حل کیا جائے اس واسطے اکثر الہامات جو قرآن شریف کے الفاظ میں ہوتے

ہیں۔ ان کی ایک عملی تفسیر ہو جاتی ہے اس سے خدا تعالےٰ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ یہی زندہ اور بابرکت زبان ہے اور تا ثابت ہو جائے کہ تیرہ سو سال اس سے قبل ہی اسی طرح یہ خدا کا کلام نازل ہوا۔" (الحکم ۲۸ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ)

اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو الہامات نازل ہوئے وہ قرآن شریف کے ان بہت سے مطالب پر روشنی ڈالنے والے ہوتے ہیں جو اس زمانہ کے لحاظ سے لوگوں کے لئے ٹھوکر کا موجب بنے ہوئے تھے اور وہ ان کا غلط مفہوم سمجھتے تھے۔ چنانچہ جس کسی آیت کا مفہوم سمجھنے میں آج کل کے زمانہ کے لوگ عام طور پر غلطی کیا کرتے ہیں۔ وہی آیات یا اس آیت کا کوئی ٹکڑا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں آجاتا ہے۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ بتا دیتا ہے کہ جو معنی اس الہام کے ہیں وہ معنی قرآن کریم کی اس آیت کے بھی ہیں۔" (الفضل ۲۳ جون ۱۹۴۴ء صفحہ)

پس اس الہام کے نظر کے سامنے آتے ہی میری عقدہ کشائی یوں ہوئی کہ پیشگوئی کے لحاظ سے الذین اعتدوا منکم فی السبت کے معنے یہ ہیں کہ سبت کے دن میں وہ بے حرمتی کریں گے۔

کس چیز کی بے حرمتی کریں گے۔ سبت کی نہیں بلکہ شعائر الہیہ کی جن کی تعظیم وحرمت منصوص عقیدہ مسلمہ امت محمدیہ میں سے ہے۔ جب اس مفہوم کو مدنظر رکھ کر ہم نے تاریخ کی ورق گردانی کی۔ تو فوراً ہی چند ایک واقعات تصدیقی شہادت کے لئے حاصل کر لئے۔ اگر شائقین تحقیقات میں مزید تلاش کریں تو اور بھی واقعات پا سکتے ہیں۔

سبت کے دن میں شعائر اللہ کی بے حرمتی کے چند ایک واقعات

(۱) خلافت راشدہ کے مبارک عہد میں مسلمانوں میں سے شریر عنصر کا سب سے پہلا اور بدترین جرم خلیفۂ وقت کا قتل ہے۔ خلیفہ ثالث، حضرت عثمان رضؓ کے خلاف باغی گروہوں نے انقلابی سازش کر کے حضرت عثمان رضؓ سے اول تو خلافت کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ مگر جب یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا گیا۔ تب آپ کے مکان کا محاصرہ کر کے آخر دن دہاڑے آپ کو قتل کر دیا گیا۔ حضرت عثمان رضؓ کی شہادت اگرچہ جمعہ کے دن ہوئی تھی مگر اس فتنہ کی ابتداء سبت کے دن ہی سے تھی۔ چنانچہ آپ کے مکان کا محاصرہ بروایت واقدی ۴۹ دن تک رہا (تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۲۶۹) یہ سانحہ عظیم جس کے متعلق قرآن حکیم میں متعدد آیات میں خبر دی گئی تھی اور امت کو متنبہ کیا گیا تھا کہ تمہیں شیطان کا آلہ کار بن کر ملعون قوم یہود کے کردار کا اعادہ نہ کرنا مگر آخر وہی ہوا جس کی پیشگوئیاں قبل از وقت کر دی گئی تھیں۔

"وکان امراً مقضیاً"

(۲)۔ ازواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت عائشہؓ کو شاطران سیاست۔ جنگ جمل میں لے آئے۔ اس کی ابتدا بھی یوم السبت میں تھی۔ چنانچہ تاریخ الاسلام السیاسی ص۲۳ مصنفہ حسن ابراہیم حسن میں ہے

وکان خروج عائشۃ من البصرۃ یوم السبت غرۃ رجب ۳۶ھ"

(۳)۔ جنگ صفین میں جو گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں مقتولین کی تعداد تیس ہزار سے متجاوز تھی وہ بھی جمعہ کے بعد ہفتہ کی رات کو تھی۔

(۴)۔ یزید کے عہد حکومت میں جب عبداللہ بن زبیر کے خلاف مکہ پر لشکر کشی کی گئی۔ اور محاصرہ کر کے ان کے خیموں کو جو کہ حرم کعبہ کے اندر تھے آگ لگا دی گئی جس سے خانہ کعبہ بھی جل گیا تو یہ واقعہ بھی ہفتہ کے روز ۶ ربیع الاول ۶۴ھ میں ہوا

"قال ابو عبید احترقت الکعبۃ یوم السبت لست خلون من ربیع الاول ۶۴ھ"
(تاریخ الخمیس تالیف حسن بن عبداللہ باسلامہ)

(۵) واقعہ حرہ میں بھی ایام محاصرہ کے بعد سبت کا دن ہی تھا جس میں حرم نبوی کی بے حرمتی کی گئی۔ اسلام کے مرکز مدینہ منورہ میں داخل ہو کر قتل عام کیا گیا۔ اور اموال لوٹے گئے۔

(۶)۔ نیز خانہ کعبہ کا خزانہ بھی سبت کے دن لوٹا گیا چنانچہ ابن فہد قرشی

اتحاف الوریٰ میں ۲۰۰ھ کے حوادث کے ذیل میں لکھا ہے۔

"فی یوم السبت اول یوم المحرم بعد ما تفرق الناس من مکۃ جلس الحسین الافطس ...... واخذ ما فی خزانۃ الکعبۃ وکان مالاً عظیماً وانتقلہ الیہ"۔

(تاریخ الکعبۃ ص۲۱۶)

(۷)۔ یہ تو واقعات زمانہ سابق کے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں بھی بیت اللہ الحرام کی بے حرمتی کا جو باعث بنا وہ شریف حسین شریف مکہ کا وہ اعلان تھا جو اس نے ۴ جولائی ۱۹۱۴ء کو جنگِ عظیم کے دوران میں ترکی حکومت کے خلاف حرم مکہ میں اعلانِ جنگ کیا تھا۔ یہ اعلان کب ہوا۔

کان فی فجر یوم السبت الموافق ۹ من شھر شعبان ۱۳۳۴ھ الموافق ۴ یولیہ ۱۹۱۴ء (تاریخ الکعبۃ ص۲۸۹ ایضاً دیکھو محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص۹/۲۶۰) اس کے بعد مکہ میں جب ترکی قلعہ پر گولہ باری کی گئی۔ چونکہ خانہ کعبہ درمیان میں واقع تھا کئی گولے مسجد حرام میں بھی گرے اور کعبہ کی دیواروں میں لگے جس سے غلافِ کعبہ جل گیا۔ (دیکھو خون حرمین وغیرہ کتب)

(۸)۔ چونکہ یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی نازل ہوا جس میں اس طرف اشارہ تھا کہ آپ کی جماعت میں بھی سبت کے دن میں ایک فتنہ برپا ہوگا۔ چنانچہ یہ فتنہ ہمارے غیر مبایعین بھائیوں کی طرف

سے اٹھا اور اسی فتنہ کے مواد آتشین حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں ہی اندر پکتے رہے کبھی کبھی اس آتشین فتنہ کی بھاپ باہر بھی نکل پڑتی رہی۔ جسے حضرت خلیفہ اولؓ اپنی قوتِ قدسیہ سے دبا دیتے اور اپنے مواعظ حسنہ سے اس کی حرارت کو ٹھنڈا کر دیتے تھے مگر آخر ایک دن یعنی حضور کی وفات کے موقع پر یہ آتش فشاں پہاڑ پھٹا اور پورے زور سے دور دور تک اپنا لاوا پھینکا۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اولؓ کی وفات جو تھی جمعہ کے روز ہوئی ابھی حضور کا جنازہ بھی دفنایا نہ گیا تھا کہ فتنہ پردازوں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوتے اپنے مقاصد مشئومہ کے لئے تدبیریں تیز کر دیں۔ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ایسی اعلیٰ نعمت جو حفاظتِ دین اور استحکام شریعت کے لئے الٰہی شعائر میں سے ہے۔ اس کی حرمت کو نظر انداز کر دیا اور کفرانِ نعمت کر کے اس کے خلاف پورا زور لگانے میں مصروف ہو گئے چنانچہ اگلے ہی روز یعنی ہفتہ کی صبح کو ایک رسالہ جس کا عنوان تھا۔

"ایک ضروری اعلان"

جو پہلے سے ہی سوچی سمجھی تدبیر کے ماتحت طبع کر کے رکھا ہوا تھا شائع کر کے جماعت میں سخت فتنہ برپا کیا۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے الفضل ۱۷ / مارچ سنہ ۱۹۱۴ء)

تحویلِ قبلہ

یہود کی اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں اور تحویل قبلہ پر سفیہانہ حملے اور انکے متعدد جواب اور قبلہ کی حکمت و فلاسفی،

سورۂ بقرہ میں جو بنی اسرائیل کو خصوصیت سے خطاب کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسرائیلی قوم کے دو گروہ یہود و نصاریٰ ہیں جنہوں نے اسلام کے خلاف سخت فتنے برپا کرنے تھے۔ چنانچہ الٰہی کے فتنوں سے بچنے کی دُعا سورۂ فاتحہ میں غیرِالمغضوب علیہم ولا الضالین کے ذریعہ سکھلائی گئی اور مسلمانوں کو ان کے خفیہ منصوبوں اور سیاسی حربوں سے متنبہ کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تو عیسائیوں کا فتنہ اتنا نمایاں نہیں ہوا تھا۔ اس وقت یہود ہی اسلام کے خلاف خفیہ اور علانیہ شرارتوں پر آمادہ تھے۔ عیسائی فتنہ بالفاظ دیگر دجال تو اس وقت بروئے کشف حضرت تمیم داری گرجا میں قید تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور مکاشفہ یوحنا کی رُو سے اس نے ایک ہزار سال کے بعد اس قید سے رہائی پا کر دنیا میں فساد برپا کرنے کے لئے نکل کھڑا ہونا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اگرچہ عیسائی

حکومتیں بھی تھیں مگر وہ ابتداءً اسلام کے مقابلہ پر نہیں آئیں اور جب آئیں تو ان کو اکسانے والے بھی دراصل یہودی تھے۔ حبشہ کی عیسائی حکومت کا رویہ تو اسلام سے نہ صرف مصالحانہ بلکہ محسنانہ تھا۔ یہاں تک کہ وہ کچھ عرصہ کے لئے ایک حد تک مسلمانوں کی پناہ گاہ بھی بنی رہی۔ اور رومی حکومت کا رویہ بھی ابتداء میں اسلام سے شریفانہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تبلیغی خط ہرقل قیصر روم کو بھیجا تو اس وقت وہ بھی اسلام سے بہت حد تک متاثر تھا۔ اس زمانہ میں یہودی تھے جو بغض و عداوت کے جذبہ سے بھرپور ہو کر ہر طرف اسلام کے خلاف فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا رہے تھے۔ ایک طرف اگر وہ سرداران قریش اہالیان مکہ کو مرکز اسلام مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے چڑھا لائے تو دوسری طرف قیصر روم کو اسلام کے خلاف مشتعل کر کے آخر اسے مسلمانوں سے ٹکرا دیا۔ تیسری طرف شاہ ایران کو اکسا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے احکام جاری کرا دیئے۔ یہ اس ملعون قوم یہود کی بے شمار شیطانی کارروائیوں کی چند مثالیں ہیں جن کی تفصیلات اسی سورۃ بقرہ میں ایک ایک کر کے بیان کی گئیں اور بذریعہ وحی الٰہی ان سب کا توڑ بتلا دیا گیا۔ یہ ملعون قوم یہود ایک طرف تو بیرونی حکومتوں اور قوموں سے جوڑ توڑ کر رہی تھی دوسری طرف اندرون ملک میں بھی ففتھ کالم (منافقین) کے ذریعہ خفیہ ریشہ دوانیاں کرنا بھی ان کا ایک بڑا کار آمد سیاسی حربہ تھا۔ اس کا ذکر بھی کچھ تو اسی سورۃ میں ہے اور مزید تفصیلات دوسری سورتوں میں ہیں۔ اس مردود قوم

نے اپنی شرارتوں اور منصوبہ بازیوں کے لئے نہ صرف مردوں کو آلہ کار بنا لیا تھا بلکہ انھوں نے اس کام کے لئے بہت سی ایسی عورتیں بھی چھوڑ رکھی تھیں جو نہ صرف عام مسلمانوں کے گھروں میں جا کر فتنہ پھیلاتیں۔ بلکہ خاندانِ نبوت کے مقدس گھرانے بھی ان کی آماجگاہ بنے ہوتے تھے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ میں کئی ایک ایسی عورتیں تھیں جو ازواجِ مطہرات میں پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کرتی تھیں ان میں سے ایک عورت ام جلدہؓ کے متعلق آتا ہے۔ کانت تحرش بین ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم (اصابہ) جنگ احزاب کے بعد جب کفار کی طاقت ٹوٹ چکی تھی تو ان مفسدہ پردازوں نے ان اندرونی فتنوں کے مشئوم کام کو تیز سے تیز تر کر دیا۔ آخر جب ارشادِ الٰہی یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم نازل ہوا تو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منافقین کو ایک مجمع میں بلوا کر ان میں سے ایک ایک کا نام لے کر جن کی تعداد تقریباً ۸۰ تھی انہیں جماعت سے خارج فرما دیا جو سب اسی مغضوب قوم یہود کے ایجنٹ تھے۔

اسی سورۂ بقرہ کے پانچویں رکوع سے آٹھویں رکوع تک تو پہلے ان یہود کے آباء و اسلاف کے کرتوتوں کا ذکر کر کے اُن کے انجام بد سے انہیں ڈرایا اور پھر نویں رکوع سے سترہویں رکوع تک ان موجودہ یہود کی کارستانیوں کا تذکرہ ہے جو نزولِ قرآن کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اسلام کے خلاف سیاسی سازشیں

کر رہے تھے۔ اس ضمن میں ان کی گیارہ فتنہ پردازیوں کا خاکہ مختصر الفاظ میں ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

پہلا فتنہ۔ آیت ۷۲ تا ۷۳ واذ قتلتم نفساً ..... الآیۃ میں بیان ہوا ہے خفیہ قتل کی وارداتوں کے ذریعہ مسلمانوں میں دہشت انگیزی اور معاہدۂ امن کا چیلنج۔

دوسرا فتنہ۔ آیت نمبر ۷۶ تا ۷۹ میں منافقانہ لباس میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان کے اندر فتنہ پھیلانا۔ کلامِ الٰہی میں تحریف۔ الہاماتِ الٰہیہ اور آسمانی پیشگوئیوں کو اپنے محل وموقع سے ہٹا کر غیر محل پر چسپاں کر کے عوام کو متنفر کرنا۔

تیسرا فتنہ۔ آیت نمبر ۸۴ تا ۸۶ میں مدینہ کے اخلاقی اور سیاسی معاہدہ کی خلاف ورزی کا ذکر ہے۔

چوتھا فتنہ۔ آیت ۹۷ میں مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کرنا کہ یہ لوگ لڑاکے، امن شکن اور ہمارے دشمن ہیں۔ اسلامی تحریک کا منبع اس وجود کو قرار دیتے ہیں جو ہماری قوم کا دشمن ہے۔ یعنی جبریل۔ جبریل کے متعلق یہود یہ کہتے ہیں — ذلك الذی ینزل بالحرب والقتال والعذاب۔[1]

پانچواں فتنہ۔ آیت نمبر ۱۰۳۔ واتّبعوا ما تتلوا الشیاطین

---

[1] مسند احمد۔

میں اسلامی حکومت کے خلاف سیاسی سازشیں بنانے اور غیر ملکی حکومتوں سے سازباز کرنے کا ذکر ہے۔

چھٹا فتنہ۔ آیت ۱۰۵ یا ایہا الذین اٰمنوا لا تقولوا راعنا میں آیت ۱۰۳ الی السداد کیا گیا۔ سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا کر ایسی باتیں کہلوانا اور ایسی اصطلاحات جاری کرنا چاہتے تھے جس سے اپنے پیشوا اور امام کی عزت و احترام پر حرف آتا ہو گویا مسلمانوں کے جذبۂ عقیدت کو جو انہیں اپنے مرکزی نقطہ نبی یا خلفاء کے ساتھ ہے اسے کمزور کرنا ان کا مقصد تھا۔

ساتواں فتنہ۔ اس کا ازالہ آیت ۱۰۷ ما ننسخ من آیۃ او ننسھا کے ذریعہ کیا گیا۔ مسلمانوں کی مذہبی تبلیغ کے خلاف یہ پروپیگنڈا کرتے کہ یہ لوگ آسمانی شریعت کے بھی نسخ کے قائل ہیں حالانکہ خود یہود بھی نسخ شریعت کے قائل تھے۔ جیسا کہ آج کل مولویوں کی طرف سے ہمارے خلاف عوام کو یہ اشتعال دلایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کے آنے کے قائل ہیں حالانکہ یہی خود عیسیٰ نبی کی آمد کے منتظر ہیں۔

آٹھواں فتنہ۔ فتنہ ارتداد کی بنیاد۔ ان کی اس شرارت کا ازالہ آیت ۱۰۹ میں کیا گیا ہے۔

نواں فتنہ۔ مسلمانوں کو عبادت گاہوں میں عبادت کرنے سے روکنا اس کا ذکر آیت ۱۱۵ میں ہے۔

دسواں فتنہ۔ جس کا ذکر آیت ۱۱۹ میں ہے۔ نامناسب مطالبات کے

ذریعہ عوام کو شکوک و شبہات کا شکار کرنا۔

گیارہواں فتنہ: مسلمانوں کے قبلہ پر اعتراض اور تحویل قبلہ پر سفہا نہ حملے اس کا ذکر آیت ۱۴۲ میں یوں ہے۔ سیقول السفھاء من الناس ماولٰھم عن قبلتھم التی کانوا علیھا۔

میں اس وقت صرف ان کے اس آخری حربہ کے متعلق کچھ تحریر کرنا چاہتا ہوں۔ یعنی تحویل قبلہ پر جو اعتراض یہود نے کیا اور اس کے متعدد جواب جو قرآن حکیم میں دیئے گئے ہیں ان کی کچھ تفصیل ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

یہود نے از راہ شرارت اور تعصب قومی عوام میں یہ مشہور کر رکھا تھا کہ بیت المقدس ہی تمام انبیاء کا قبلہ تھا مسلمانوں نے اس قبلہ کو چھوڑ کر گویا ان تمام انبیاء کے اجماعی مسلک سے انحراف کیا ہے۔ چونکہ ان کے اس پروپیگنڈے سے عوام میں مسلمانوں کے خلاف اشتعال کا پیدا ہونا لازمی تھا۔ اور ان کے اس جھوٹے پروپیگنڈے سے جو قبلہ کی اصل حقیقت نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ اس کو نمایاں کرنے اور حق و حقیقت کو واضح کرنے کے لیئے ان کے اس اعتراض کے متعدد جواب دینے مناسب تھے جن کے ذریعہ مسئلہ قبلہ کی حقیقت کے تمام پہلوؤں کو نمایاں کیا جا سکے۔ چنانچہ تحویل قبلہ پر اعتراض کے تفصیل وار بارہ[۱۲] جواب ذیل میں دیئے گئے ہیں۔

پہلا جواب۔ السفھاء من الناس کے الفاظ سے دیا گیا۔

سفیہہ کے معنی عدیم العلم ۔ جاہل ۔ ردی الخلق کے ہیں ۔ (منجد) یعنی ایسا اعتراض وہی لوگ کر سکتے ہیں جو علم سے بے بہرہ اور جاہل ہوں یا وہ جو گستاخ اور پیرایہ اخلاق سے عاری ہوں ۔ ایسا اعتراض کر کے اپنی ذلت جہالت اور بد اخلاقی کا مظاہرہ کریں گے ۔ کیونکہ ان کے پاس اس بات کے لیئے کوئی بھی علمی دلیل یا اخلاقی حجت نہیں ۔ نیز یہ اعتراض وہی کر سکتے ہیں جو خود ملتِ ابراہیمی سے ہٹ گئے ہوں ۔ چنانچہ اس سے پچھلے رکوع میں اس طرف توجہ دلائی گئی ۔ ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ قبلہ یہی بیت اللہ ہی تھا ۔ اس سے انحراف کرنے والے گویا اپنے اسلاف کے مسلک پر اعتراض کرنے والے ہیں اور یہی سفیہہ اور ذلیل ہیں نہ کہ وہ جو ملتِ ابراہیمی کے پیرو اور اس کو زندہ کرنے والے ہیں ۔

<u>دوسرا جواب</u> ۔ قل للہ المشرق والمغرب ۔ آج سے پہلے قومی نبوت کا دور تھا ۔ ہر قوم کا نصب العین اور دائرہ نظر اپنی قوم و ملک اور حدود جغرافیائی تک محدود تھا ۔ اس لیئے ان کی ذہنیت کے مطابق قومی قبلے قرار پا گئے مگر اب ذہنِ انسانی ترقی کی اس معراج پر پہنچ چکی ہے کہ مشرق و مغرب کے جغرافیائی حدود اس کی جولانگاہ کو محدود نہیں رکھ سکتے ۔ اب عالمگیر نبوت کا دور ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ اس وقت مشرقی اور مغربی قوموں کو ایک ایسے مرکز پر جمع کرنا چاہتا ہے جو نہ صرف مشرقی قوموں کا قبلہ ہوگا ۔ اور نہ مغربی امتوں کا بلکہ سب قوموں

کو اسی ایک قبلہ پر مجتمع کیا جاوے گا جس کی تعمیر ابو الملۃ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مقدس ہاتھوں سے کی تھی۔

تیسرا جواب۔ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم در اصل پہلی قوموں کا قبلہ بھی بیت اللہ ہی تھا مگر قبلہ کی صحیح حقیقت سمجھنے میں پہلی قوموں نے غلطی کھائی۔ اور امت مسلمہ کو صحیح رہنمائی نصیب ہوئی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھم یعنی اھل الکتاب لا یحسدونا علی شیٔ کما یحسدونا علی الجمعۃ التی ھدانا اللہ لھا وضلوا عنھا وعلی القبلۃ التی ھدانا اللہ لھا وضلوا عنھا۔ اخرجہ احمد والبیھقی فی سننہ (در منثور) چنانچہ بائبل سے بھی اس کی تصدیق ملتی ہے کہ یہود نے کوہ مقدس کو بھلا دیا۔ یسعیاہ $\frac{65}{11}$ میں ہے "تم جو خداوند کو ترک کرتے اور اس کے کوہ مقدس کو فراموش کرتے ہو"

حضرت اسماعیلؑ کے متعلق پیدائش $\frac{16}{12}$ میں ہے کہ "وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بود و باش کرے گا" چنانچہ اس پیشگوئی کی بناء پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو عرب کے مشرق و شمال میں اتارا۔ اور پیدائش $\frac{25}{18}$ میں ہے "ان کا قطعہ زمین اُن کے سب بھائیوں کے سامنے پڑا تھا"

اس سے معلوم ہوا کہ مسکن اسمٰعیل (مکہ) بنی اسرائیل کے سامنے

(یعنی قبلہ) تھا۔ چنانچہ مذہبی عبادت اور قربانی کے لئے بھی اسی کی طرف متوجہ ہونے کا حکم بائیبل میں ملتا ہے۔ چنانچہ خیمہ عبادت کا دروازہ شمالی کی طرف تھا۔ (خروج ۲۶ و ۲۷) اور قدس الاقداس جس کی طرف منہ کرکے قربانی کی جاتی تھی وہ جنوب کی طرف تھی اور اتر کی طرف سے ہو کر ذبح کیا جاتا تھا۔ (احبار ۱) یہی ہمارے اسلاف کا بھی مسلک ہے۔ اخرج ابن ابی حاتم عن ابن عباسؓ ان اھل الکتاب کتب علیھم الصلٰوۃ الی البیت والحج الیہ (روح المعانی ۳ جلدہ) عن ابی العالیۃ کانت الکعبۃ قبلۃ الانبیاء۔ (السیرۃ الحلبیہ ص ۱۶۶ جلد ۲)

چوتھا جواب۔ وکذٰلک جعلنا کم امۃ وسطاً۔ امتِ مسلمہ کا اعلیٰ مقام بھی اس امر کا مقتضی ہے کہ ان کا مرکزی قبلہ البیت المعمور ہو۔ جس طرح ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے طلبہ کا تعلیمی مقام سکول اور مدرسہ ہوتا ہے مگر انتہائی تعلیم کے لئے وہ کافی نہیں ہوتا۔ اب اس کی تعلیم گاہ کالج اور جامعہ ہوتی ہے۔ پس عالمگیر روحانیت کی ملی تعلیم گاہ یہی البیت المعمور ہونا چاہیئے جس کے اعلیٰ معلم کے لئے ابوالملۃ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس درس گاہ کی تعمیر کے دوران یہ دعا کی تھی۔ ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلو علیھم ایاتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم۔

پانچواں جواب :۔ وما جعلنا القبلة التی کنت علیھا فعل جعل متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔ اس کا پہلا مفعول تو القبلۃ التی کنت علیھا ہے اور دوسرا مفعول "قبلۃ" محذوف ہے۔ اصل فقرہ یوں تھا۔ وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیھا قبلۃ یعنی ہم نے اس قبلہ کو جس پر تو پہلے سے قائم تھا قبلہ نہیں بنایا۔ یہ صاف و صریح جواب ہے یہود کے اس پروپیگنڈے کا جو شور مچا رکھا تھا کہ بیت المقدس تو سب نبیوں کا قبلہ رہا ہے۔ اس کے بعد اگلے فقرہ الا لنعلم من یتبع الرسول میں جو لفظ الا ہے۔ اس کے بارہ میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض اسے استثناء منقطع قرار دے کر معنی یہ کرتے ہیں کہ جس جانب کی طرف تو منہ کرتا تھا وہ قبلہ تو نہیں تھا مگر ہم نے مصلحۃً تجھے اس سے روکا بھی نہیں تھا کیونکہ اس سے ہمیں مومنوں کے ایمان کی آزمائش کرنا مقصود تھا۔ اور دوسرا گروہ اسے استثناء متصل قرار دیتا اور یہ معنی کرتا ہے کہ ہم نے اسے ایک خاص مصلحت کے ماتحت ایک وقت تک عارضی قبلہ مقرر کیا تھا تا اس سے مومنوں اور قوم پرستوں میں امتیاز قائم کیا جا سکے۔

مفسرین کے اس اختلاف کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عملی اقدام کی تنقیح میں بھی اختلاف ہونا لازمی ہے کہ بیت المقدس کی طرف حضور کا رخ کرنا آیا آپ کا ذاتی اجتہاد تھا یا کہ اس بارہ میں

آپ کو کوئی الٰہی حکم ہوا تھا۔ چنانچہ بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی اجتہاد تھا الٰہی حکم نہیں تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:۔

"واضح الاقوال ہمیں است کہ استقبال بیت المقدس از وحی صریح نہ بود آنحضرت علیہ السلام از امامت انبیاء بسمت صخرہ وامر ہجرت وامثال ذلک استنباط فرمودہ بودند۔"[1]

اور وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیھا کی تفسیر یوں فرماتے ہیں:

"ما قررناھا بعد ان کنت علیھا باجتھادک"[2]

اور ابوجعفر نحاس اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ ص۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"قال غیرہ بل نسخ فعلہ ولم یکن امرہ بالصلوٰۃ الی بیت المقدس ولکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یتبع آثار الانبیاء قبلہ حتی یؤمر بنسخ ذلک۔"

اور حضرت حسن بصریؒ بھی اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد

---

[1] تفسیر عزیزی ص۴۹۹۔ [2] ایضاً ص۴۵۱۔

قرار دیتے ہیں۔

"قال الحسن البصری انہ رای استقبال بیت المقدس، باجتہادہ[1]"

ان بزرگوں کے خیال کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کے متعلق جس قدر روایات ملتی ہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ تصریح نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ سوائے ایک روایت کے جو بواسطہ علی ابن ابی طلحہ من ابن عباسؓ یوں ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھاجر الی المدینۃ وکان اکثر اھلھا الیھود امرہ اللہ ان یستقبل بیت المقدس ففرحت الیھود فاستقبلھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بضعۃ عشر شھراً۔ اخرجہ ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم والنحاس فی ناسخہ والبیہقی[2]

---

[1] زرقانی شرح مؤطا ۳۹۵ ج ۲۔ [2] تفسیر در منثور

مگر اہلِ تحقیق نے اس روایت پر جرح کی ہے کہ یہ منقطع ہے۔ ابن ابی طلحہ کی سماع ابن عباسؓ سے ثابت نہیں۔ صحیحین میں جو روایت براء بن عازب سے ہے، نیز ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں بھی یہ روایت ہے۔ اس میں صرف اتنا ہے "صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بیت المقدس ستۃ عشر او سبعۃ عشر شھراً"۔ نیز حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کے خلاف ایک اور بھی قرینہ ملتا ہے۔ اخرج ابن جریر عن سعید بن المسیب ان الانصار صلت للقبلۃ الاولیٰ قبل قدوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ بثلاث حجج وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی للقبلۃ الاولیٰ بعد قدومہ المدینۃ ستۃ عشر" (درمنثور) اگر انصار چند سال پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو یقیناً وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم وارشاد سے ہی پڑھتے ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یا وحی سے ہوگا یا اجتہاد سے، بہر دو صورت، جب پہلے سے آپؐ کا حکم اور تعامل موجود تھا تو پھر اللہ تعالیٰ کا نئے سرے سے حکم دینا کس مصلحت کی بنا پر ہو سکتا ہے جسے خود ہی بعد میں منسوخ کرنا تھا۔

یہ تو ایک گروہ کی رائے ہے۔ دوسرا گروہ اس امر کا قائل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعامل (یعنی بیت المقدس کی طرف منہ کرنا)

وحی الٰہی سے کرتا۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک اس گروہ ثانی کی تائید میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ حضور انور کے افاضات جو سورۃ البقرہ کے نام سے شائع ہوئے ہیں ان میں حضور کا یہ ارشاد ہے:۔

"بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص حکم نازل ہوا تھا۔ یہ نہیں کہ آپ محض اجتہادی طور پر اہل کتاب کی اتباع میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے ہوں گے"[1]

آگے حضور فرماتے ہیں:۔

"جیسا کہ بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم قرآن میں کہیں موجود نہیں۔ لیکن اس حکم کا منسوخ ہونا بتاتا ہے کہ اس بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ضرور کوئی وحی نازل ہوئی تھی"[2]

بہر حال یہ دونوں رائیں ناظرین کے سامنے ہیں۔ و نحن نرجحہ ... ہو نیچھا۔ اور اگر نظر عمیق سے دیکھا جائے تو یہ اختلاف سطحی ہے اس میں کوئی تضاد نہیں۔ اس کی تحقیق ممکن ہے۔ اول نبی کا اجتہاد عام مجتہدوں کا سا اجتہاد نہیں ہوتا۔ بلکہ دراصل وہ بھی ایک

---

[1] تفسیر سورۃ البقرۃ صفحہ ۲۳۶ ۔ [2] ایضاً ۲۳۷

قسم کی وحی ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو نہ صرف اجتہاد بلکہ اجتہادی غلطی کو بھی وحی سے علیحدہ قرار نہیں دیتے۔ چنانچہ حضور اقدس آئینہ کمالات اسلام میں تحریر فرماتے ہیں۔

"وہ اجتہادی غلطی بھی وحی کی روشنی سے دور نہیں تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے قبضہ سے ایک دم جدا نہیں ہوتے تھے"[1]

آگے فرماتے ہیں:۔

"سو ہم اس اجتہادی غلطی کو بھی وحی سے علیحدہ نہیں سمجھتے"[2]۔

اس کے علاوہ اجتہاد کا بھی تو یقیناً کوئی ماخذ و منبع ہوتا ہے۔ اور انبیاء کے اجتہادوں کے ماخذ عموماً وحی، رؤیا اور مکاشفات ہی ہوتے ہیں۔ پس جس کی نظر اس کے منبع کی طرف گئی اس نے وحی کہہ دیا۔ اور جس کی نگاہ اس کے نتیجہ استنباط و اجتہاد پر پڑی اس نے اجتہاد کہہ دیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے قول میں بھی اسی وحی خفی کی طرف اشارہ ہے۔ ممکن ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارہ میں کوئی کشف و رؤیا ہوا ہو۔ جس سے آپ نے استنباط فرمایا۔ اگر آپ احادیث اسراء و معراج میں غور کریں تو اس کے ماخذ کے بعض پہلوؤں کے متعلق آپ کو کچھ اشارات بھی مل سکیں گے۔ مگر وہ جو حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رح نے ماخذ اجتہاد

---

[1] آئینہ کمالات اسلام ص۳۵۱ ۔ [2] ایضاً ص۳۵۱

کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "اذا امت ابنیاء سمت صخرہ..... استنباط فرمودہ بودند" یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اوّل تو یہ بات واقعات تاریخ کے خلاف ہے، دوم یہ مسلک توحید کے بھی متضاد ہے۔ صخرہ بیت المقدس تو قدیم سے بُت پرستوں کی پرستش گاہ تھی۔ اسرائیلی شرعیت میں وہ کوئی قبلہ نہیں تھا۔ بنی اسرائیل نے اس کو قبلہ تو اس وقت قرار دیا جب وہ اسرائیلی شریعت کی توحید کے صراط مستقیم سے ہٹ گئے۔ اور وہاں کے مشرکوں کی صحبت سے متاثر ہو کر شرک و بُت پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ مؤرخ ابن خلدون لکھتے ہیں:۔

"اما البیت المقدس وھو المسجد الاقصیٰ فکان اول امرہ ایام الصابئۃ موضع الزھرۃ وکانو ایقربون الیہ الزیت فیما یقربونہ یصبّونہ علی الصخرۃ التی ھناک۔ ثم دثر ذلک الھیکل واتخذھا بنو اسرائیل حین ملکوھا قبلۃ لصلاتھم"[۱]

اور علامہ ابن القیم فرماتے ہیں:۔

"ان قبلۃ الطائفتین (ای الیھود و النصاریٰ) الاٰن لم تکن قبلۃ بوحی و توقیف

---

[۱] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۹۳

من اللّٰہ تعالیٰ بل بمشورۃ واجتہاد منہم
...... ولیس فی التوراۃ الامر بذلک[1]

پس انبیاء بنی اسرائیل جو اسرائیلی شریعت کے حامل اور شمع توحید کے مشعل بردار تھے ان سے یہ کب توقع ہو سکتی ہے کہ گہوارۂ شرک کو قبلۂ عبادت قرار دیں رحاشا و کلا۔ صحیح یہ ہے کہ ان کا قبلہ کعبہ ہی تھا جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت پہلے بیان کی جا چکی ہے اور اقتباسات توریت بھی درج کئے جا چکے ہیں۔

چھٹا جواب۔ فلنولّینّک قبلۃً ترضاھا۔ اب قومی دورِ نبوت کے محدود دائرہ کے ادنیٰ مرکز پر عالمگیر مذہب پر چلنے والے شخص کی فطرت تسکین نہیں پا سکتی۔ اس کے نزدیک تو پسندیدہ قبلہ وہی ہو سکتا ہے جس کے لئے اتحاد ملل و اقوام کی عالمگیر تحریک کی بنیاد ڈالتے ہوئے ابوالملۃ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعائیں کی تھیں اس لئے ہم تمہیں اس قبلہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیتے ہیں جس کے ذریعہ تم برسرِ اقتدار ہو کر امام الاقوام بن سکو گے۔

ساتواں جواب۔ ان الّذین اُوتوا الکتاب لیعلمون انّہ الحقّ من ربّھم۔ پہلی کتب کی رُو سے بھی یہی ثابت ہے کہ دراصل قبلہ یہی کعبہ ہے۔ اس کو اہلِ کتاب اچھی طرح جانتے ہیں۔ مگر

---

[1] روح المعانی۔

ان قوموں نے قومی تعصب کی خاطر اس قبلہ کو چھوڑ کر دوسرے مقام کو قبلہ قرار دیا۔ اس کے لئے بائبل کے حوالجات مندرجہ ذیل دیکھئے۔ پیدائش ۲۱/۸ - یسعیاہ ۶۰/۷ ۔ ۶/۲۰ ۔ حجی ۲/۷-۹ ۔ زبور ۸۴/۴-۶ ۔ یوحنا ۴/۲۱ ۔ مکاشفہ یوحنا ۳/۱۲ ۔

ڈاکٹر گستاؤلیبان فرانسیسی کعبہ (بیت اللہ) کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"یہود کے نزدیک بھی یہ مقام نہایت متبرک تھا"[۱]

دائرۃ المعارف صـ۱۴۲ محمد فرید وجدی میں ہے :۔

"وکان الیہود یحترمون الکعبۃ و یعبدون اللہ فیہا علی دین ابراھیم"

دروزی کی رائے بھی حرم مکہ کے متعلق ملاحظہ ہو :۔

"ان حرم مکۃ قد عمر بواسطۃ بطون بنی شمعون وان تقالید الحج و الطواف حول الکعبۃ لیست الا وراثۃ اسرائیلیۃ قدیمۃ"[۲]

گویا وہ درپردہ اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس متاعِ ایمانی کے حامل پہلے تو اسرائیلی قومیں بھی تھیں مگر جب وہ اس نعمت کو ہاتھ سے گنوا بیٹھے تو اس ورثہ کے مالک مسلمان بنے۔

---

[۱] تمدن عرب صـ۸۹ مترجمہ سید علی بلگرامی ۔ [۲] تاریخ الیہود فی بلاد العرب صـ۸۴ :

آٹھواں جواب - الذین اٰتینٰھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم - پہلے بھی اہل کتاب کے متعلق بتایا گیا تھا کہ انہیں اس کا علم ہے۔ وہاں تو علم کا ذکر تھا مگر یہاں معرفت کا ہے جو اس سے بڑھ کر ہے - پھر وہاں اُوتوا الکتاب بصیغہ غائب بیان کیا گیا - یعنی عام اہل کتاب جن کو بالواسطہ کتاب کا علم ہؤا - مگر یہاں خواص اہل کتاب کا ذکر ہے جن کو خدا تعالیٰ نے براہ راست کتاب کا آسمانی علم عطا فرمایا اور بذریعہ الہامات وکشوف ورؤیاء کے اس کی حقیقت بتائی اس لیئے یہاں اٰتینا کا لفظ اختیار فرمایا - گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد متعدد انبیاء و ملہمین کو اس قبلہ کا نہ صرف علم بلکہ معرفت عطا کی گئی - چنانچہ ان کی پیشگوئیاں بکثرت بائیبل میں موجود ہیں۔

نواں جواب - ولکلٍّ وجھۃ ھو مولّیھا فاستبقوا الخیرات - ہر قوم کا اس کی ذاتی استعداد کے لحاظ سے اپنا اپنا نصب العین اور مرکز توجہ ہوتا ہے - مگر چونکہ ان کا مقام اور نصب العین قومی اور نسلی اور جغرافیائی حدود میں محدود ہوتا ہے اسلیئے اے مومنو! تمہارا نصب العین محدود نہیں ہونا چاہیئے - تم تو ساری دنیا میں آسمانی بادشاہت قائم کرنے کیلیئے کھڑے کیئے گئے ہو - لہٰذا تمہاری جولانگاہ عمیق اور میدان وسعت وسیع اور تمہارا مرکز اور نصب العین اعلیٰ و برتر ہو جو ان اقوام کے علاوہ ہو - اگر تمہارا مرکز بھی وہی رہا تو تم ان اقوام میں جذب ہو کر رہ جاؤ گے - اور ترقی نہیں کر سکو گے۔

ولکل وجھۃ کے ایک اور معنی یہ ہیں - ای ھذہ القبلۃ مرکز
لکل قوم من اقوام العالم - گویا اس میں حکمت قبلہ کا ذکر ہے.
یعنی یہ قبلہ مسابقتِ اقوام کا ذریعہ ہے - دنیا کی قوموں کا ارتقاء اس مرکز
سے وابستہ ہونے سے مقدّر ہے - ہر قوم کی ایک طبعی عمر ہوتی ہے - اس
کے اختتام پر دوسری قوم اس کی جگہ سنبھالتی ہے - مثلاً اگر کسی وقت مصری
یا بابلی اقوام برسرِ اقتدار تھیں تو دوسرے وقت یونانی اور چینی کبھی مشرقی
قوم ابھری تو کبھی مغربی - پھر جب یہ قومیں اپنی عمر طبعی ختم کر کے یا اس سے پہلے
ہی اپنی بداعمالیوں اور مظالم اور سفاکیوں کی وجہ سے تنزل و ہلاکت کا
شکار ہو جاتی ہیں تو ان کی جگہ دوسری قومیں سنبھال لیتی ہیں - مگر چونکہ اس
دوسری قوم اور پہلی قوم میں کوئی رابطۂ اتحاد اور رشتۂ تنظیم نہیں ہوتا
جس کی بناء پر ایک قوم و ملت کا تسلسل قرار دیا جا سکے - اس لئے تمدنِ دنیا
اسی تشتت و انتشار کی وجہ سے ہمیشہ فتنہ و فساد اور ہلاکت خیز مظالم کا
تختۂ مشق بنا رہتا ہے - مگر اب اسی عالمگیر تحریک امن اور روحانی نظام
شمسی کے مذہب اسلام اور اس کے مرکزی قبلہ سے وابستہ مسلم قوم کا
دنیا میں تسلسل قائم رہے گا - اگر ایک وقت عرب قوم ترقی کرے گی تو
دوسرے وقت تُرک - کبھی صفویہ خاندان کی باری آئیگی اور کبھی مغلیہ خاندان کی.
مگر ایک مرکزِ وحدتِ ملی سے وابستہ ہونے کی وجہ سے سب ایک ہی قوم یعنی
امتِ مسلمہ کہلائے گی - ان کی تہذیب و تمدن کی اساس اسلام ہی ہو گا - پس
چونکہ تم سب اسی ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہو اس لئے تم سب کا متحد فرض ہے

کہ جب تم اقتدار پاکر دنیا میں نکلو تو قوموں کے لئے امن و راحت کا نظام جاری کرکے صحیح انسانی تمدن قائم کرنا یا بالفاظ دیگر خطۂ ارضی پر آسمانی بادشاہت قائم کرکے دنیا کو گہوارۂ جنت بنانا تمہارا اولیٰ فرض ہے فاستبقوا الخیرات میں اسی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ اس فریضہ کی ادائیگی کے متعلق دوسری جگہ یوں توجہ دلائی گئی ہے۔ الذین ان مکنّاھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوالزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔[1]

دسواں جواب۔ اینما تکونوا یأت بکم اللہ جمیعاً۔

اس مرکز (یعنی قبلۂ البیت العتیق) کے اندر ایک ایسی زبردست طاقت اور مقناطیسی کشش ہے کہ دنیا کے ہر خطہ کے باشندوں کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔ تم پھیل کر دنیا کے خواہ کسی گوشہ میں پہنچ جاؤ تم سب کا رشتۂ اتحاد اپنے ساتھ وابستہ رکھے گا۔ یہ خصوصیت دنیا کے کسی اور مذہبی مقام اور قبلہ کو نصیب نہیں ہوئی۔

آگے آیت ومن حیث خرجت فولّ وجھک شطر المسجد الحرام میں پھر مسلمانوں کو مزید ان کے فریضہ کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ ارشاد ہے کہ اکنافِ عالم میں تمہارا خروج اور پھیل جانا تو مقدر رہے ہی مگر یاد رکھو تمہارے ہر خروج (خواہ وہ خروج تبلیغِ دین کے لئے ہو یا تجارت قومی یا سیاست ملکی کی خاطر) کا مقصد اور نصب العین

---

[1] سورہ حج آیت ۲۳ +

توحید الٰہی اور اشاعت دین ہو محض ذاتی یا قومی اور ملکی اغراض ہرگز مطمح نظر نہ ہوں۔ ہر قوم زندگی کے مختلف دوروں میں سے گذر کر اپنی حیات قومی کا راستہ بناتی ہے۔ ایک وقت تو وہ محدود علاقے پر اکتفاء کرتی ہے مگر جب وہ ترقی کرتی اور اس کی تعداد بڑھتی ہے تو دوسری قوموں پر حملے کرتی اور ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ گرا کر ان کے ملک و املاک پر قابض ہو جاتی ہے۔ مسلمانو! تمہارا یہ طریق نہیں ہوگا۔ تمہارا فرض ہے کہ جب تم نکلو اور پھیلو تو فول وجھک شطر المسجد الحرام اپنی توجہ اس تعلیم کی طرف رکھنا جس کی صدا تے محبت (پیام امن عالم کی) المسجد الحرام سے اٹھی۔ اسی فرض کو یاد دلانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک لاکھ چوبیس ہزار قدسیوں کے سامنے اس کی شہادت ان الفاظ میں ادا فرمائی۔

فانّ دماءکم واموالکم واعراضکم بینکم
حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شہرکم
ھذا فی بلدکم ھذا لیبلغ الشاھد الغائب
فانّ الشاھد عسیٰ ان یبلّغ من ھو اوعی لہ منہ[1]

گیارہواں جواب۔ لئلا یکون للنّاس علیکم حجۃ۔ اے مسلمانو! جب تم توحید کو دنیا میں پھیلانے کے لئے کھڑے کئے گئے ہو تو تمہاری توجہ کا اولین فریضہ تمہارا قبلہ ہونا چاہیئے۔ تا لوگوں کا تم پر یہ اعتراض

---

[1] بخاری جزو اول باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم رُبّ مبلغ اوعیٰ من سامع۔

نہ رہے کہ ان کا قبلہ بت پرستوں کے قبضہ میں ہے اور اس میں اُن کے "رب" رکھے ہوتے ہیں اور مرکزِ توحید بتوں کی نجاست سے آلودہ ہے۔

دینِ حنیف کے بانی ابوالملۃ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو فرائض بیت اللہ کے متعلق دیئے گئے۔ ان میں ایک یہ بھی تھا ان طھرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود۔ اس فریضہ کی بجا آوری کے لئے اب تمہاری تمام تر توجہ اس طرف مبذول ہونی چاہیئے کہ اس قبلہ کو مشرکین کے قبضہ سے نکال کر خدا کے پاک گھر کو بتوں کی نجاست سے پاک صاف کر دو۔

اس آیت میں ایک پیشگوئی بھی ہے۔ حجۃ کے ایک معنی غلبہ اور تفوق کے بھی ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ اے مسلمانو! تمہاری طاقت کا راز تمہاری وحدت ملی میں ہے۔ وحدتِ ملی کی روح جو اس قبلہ کے ذریعہ تمہارے اندر پھونکی گئی ہے اس میں کمی نہ آنے دینا۔ مگر یاد رکھو ایک وقت تمہاری وحدتِ ملی میں فرق آجائے گا اور انی داالملل والاقوام کے ضامن خانہ کعبہ میں جب چار مصلے رکھ کر وحدتِ ملی کو پارہ پارہ کر گے تو اس وقت دوسری قوموں کا تم پر غلبہ اور تسلط ہو جائے گا۔ اس سے آگاہ رہو۔

گیارھواں جواب۔ ولاتم نعمتی علیکم ولعلکم تھتدون۔ اے مسلمانو! اس قبلہ کے ذریعہ تم پر اتمام نعمت ہوتا رہے گا۔ اتمام نعمت کا ایک دور تو وہ تھا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم کے سامنے جو اسلام کو مٹانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی، مکہ میں دس ہزار قدوسیوں سمیت فاتحانہ داخلہ

فرما کر تمام عرب کو لیظھرہ علی الدین کلہ کا نشانہ دار نظارہ کرا کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی مندرجہ استثناء ۳۳/۲ پوری فرمائی۔ اور پھر حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ قدوسیوں کی جماعت (جو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کے مظاہر و بروز کا نقشہ پیش فرما رہے تھے) کے سامنے خطاب فرمایا۔

دوسرا دور اتمام نعمت کی جلوہ نمائی کا موجودہ زمانہ میں ہوا جب کہ دجالی اقوام اسلام کے مٹانے کے لئے ہر ممکن طریقہ سے اس پر حملہ کرنے کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ عالم کشف میں کعبہ سے مراد اسلام ہے۔ پس اس خانہ کعبہ کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرما کر امت پر اتمام نعمت فرمایا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

واضح ہو کہ اتمام نعمت کا ذکر قرآن مجید میں چار جگہوں پر ہوا ہے دو کا تعلق تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے ساتھ تھا اور دو کا حضور کی وفات کے بعد سے۔ ان چار جگہوں میں سے ایک یہ ہے دوسری جگہ سورۃ فتح میں۔ انا فتحنا لک فتحاً مبیناً ...... ولیتم نعمتہ علیک۔ ان دونوں موقعوں کے واقعات حضور اقدس کی حیات طیبہ میں وقوع پذیر ہوتے۔

سوم وضو اور تیمم کے ذکر کے بعد فرمایا۔ ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون[۵] وضو اور تیمم

۵۔ مائدہ آیت ۷

کے بعد اتمامِ نعمت کا ذکر گویا لطیف پیرایہ میں ایک حقیقت روحانیہ کی طرف اشارہ ہے۔ نبی کا زمانہ روحانی لحاظ سے ایک ایسا زمانہ ہوتا ہے جیسا کوئی شخص چشمہ کے پاس موجود ہو کہ پاک مصفّا پانی سے وضو اور غسل کر رہا ہو۔ عہد نبوت میں تو وہ ہستیاں جو عہد جاہلیت اور فیج اعوج کے مشرکانہ عقائد و خیالات کے حدث کبریٰ میں مبتلا ہو کر جنبی ہو چکی ہوتی ہیں فیضانِ نبوت کے چشمۂ پاک کے آبحیات میں غوطے لگا کر گویا غسل کرتی اور روحانی جنبیت سے اپنے آپ کو بالکل پاک اور مطہر بنا لیتی ہیں۔ اس کے بعد خلافت کا زمانہ گویا ایک چھوٹے قسم کے غسل یعنی وضو کا ہوتا ہے جس سے انسان شیطان کے عام حملوں سے محفوظ رہ کر حدث اصغر سے پاک صاف رہتا ہے اور نبوت و خلافت کے بعد کا زمانہ گویا صعید طیب سے تیمم کرنے سے شبیہ ہوتا ہے۔ اس وقت مجتہدین کے اجتہادات پر عمل کر کے دینی کام چلایا جا سکتا ہے مگر یاد رکھو یہ حالت دائمی نہیں ہوگی۔ بلکہ ایک زمانہ فیج اعوج کا ایسا بھی آئیگا جب کہ شیطان دجال وسواس الخناس کے زہریلے اثرات سے مسموم ہو کر حاملین شریعت علمائے اسلام کی ذہنی اور دماغی قوتیں گندی اور ردّی ہو جانیکی وجہ سے صعید طیب نہیں رہیں گی بلکہ صعید اً جرزاً ہو جائیں گی جیسا کہ اس کے متعلق سورۂ کہف میں پیشگوئی فرمائی گئی۔ وانا لجاعلون ما علیہا صعیدًا جرزًا۔ اب ان دماغوں سے سوائے تخریبی کارروائیوں اور مفسدہ پردازیوں کے اسلام کی تائید میں کوئی مفید تحریک نہیں نکل سکے گی۔ اور اسلامی صحیح اجتہاد کی نعمت سے محروم ہو جائیں گے۔ تب رحمتِ الٰہی جوش میں آئیگی۔ اور ان مائدۂ فت

دماغوں کی اصلاح اسلام کی حفاظت اور غلبہ و تفوّق کے لئے بنیؐ وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت ہوگی۔ تب آپ کے ذریعہ انعاماتِ نبوت کا فیضان ہو کر پھر مسلمانوں پر اتمامِ نعمت کیا جائے گا۔ اس وقت مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس نعمت کا شکریہ ادا کریں۔ اس لئے آگے فرمایا لعلّکم تشکرون۔

چوتھی جگہ جہاں اتمامِ نعمت کا ذکر ہے وہ سورۂ نحل ہے۔ جس میں ظلال و لباس کے ذکر کے بعد فرمایا کذٰلک یتمّ نعمتہ علیکم لعلکم تسلمون[1]۔ یہاں ظلال و لباس کے ذکر پر اتمامِ نعمت کے بیان کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ اتمام نعمت اب ظلی اور بروز کے طور پر ہوگا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا فیضان ہوگا۔ اور ولا تم نعمتی علیکم کے بعد جو لعلکم تهتدون فرمایا۔ اس میں بھی ایک حکمت ہے۔ ایک ہدایت کا ذکر تو پہلے ان الفاظ میں کیا جا چکا تھا یھدی من یشاء الی صراطِ مستقیم۔ اس میں مرکزی قبلہ کے حاصل کرنے سے پہلے ایک طریق کار کی طرف اشارہ تھا۔ اب دوسرا طریق ایک اور ہوگا جو مرکز حاصل کرنے کے بعد ہوگا۔ جیسا کہ سورۂ فتح میں آیت انّا فتحنا لک فتحاً مبیناً کے بعد دوسری آیت میں فرمایا ویھدیک صراطاً

---

[1] نحل آیت ۸۲۔

مستقیماً۔ چنانچہ اس کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغی نظام کو پہلے سے وسیع تر کر دیا۔ اور بادشاہوں کو تبلیغی خطوط لکھے اس میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ میں اس کام کو مزید ترقی دی جائے گی کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کا زمانہ تکمیلِ اشاعتِ دین کا زمانہ ہوگا۔ اس وقت اسلام کی اشاعت کے لئے دنیا کے کناروں تک تبلیغی جال پھیلا دیا جائے گا۔ مبلغین اسلام، طیور ابراہیم کو مختلف ملکوں میں بھیج کر ان کے ذریعہ ہر ایک ملک میں تبلیغی مشن قائم کر کے مساجد تعمیر کی جائیں گی جن کے میناروں سے اللہ اکبر کی گونج فضائے عالم میں ارتعاش پیدا کر دے گی۔ چنانچہ اب ہم یہ پیشگوئی اپنی آنکھوں سے پوری ہوتی دیکھ رہے ہیں۔

فالحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

کیا بنی اسرائیل کا داخلہ یروشلم جابرانہ تھا؟

قرآن مجید کی ایک آیت پر اعتراض کا جواب

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔
ادخلوا الارض المقدسۃ التی کتب اللہ لکم (مائدہ)
اس پر معترضین کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسرائیلی قوم کو ایک ایسے علاقہ میں داخل ہونے کا کیوں حکم دیا گیا جس پر ایک غیر قوم قانوناً اور سیاستہً قابض اور متصرف تھی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی قوم اپنے علاقہ پر غیر قوم کا قبضہ خوشی سے برداشت نہیں کر سکتی تو کیا پھر بنی اسرائیل کا داخلہ جابرانہ حملہ کے ذریعہ ہوگا؟ ایک نبی کی موجودگی میں ایسی ظالمانہ حرکت کیونکر ممکن ہے؟

اس اعتراض کا جواب نہ پاتے پر بعض علماء نے تو یہ کہہ دیا کہ اسرائیلی شریعت میں جارحانہ حملوں کی اجازت تھی۔ مگر یہ جواب نہ صرف غلط اور بے معنی ہے کیونکہ اس سے خداتعالیٰ رب العالمین رحیم کریم کی ذات پر حرف آتا ہے کہ ایک قوم کی طرفداری میں بلاوجہ اور ناحق دوسری قوم پر جارحانہ حملہ کی اجازت دے چلتا ہے بلکہ خود قرآن مجید کے بیان کے بھی خلاف

ہے جہاں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اسرائیلی شریعت میں بھی جنگ کے احکام جارحانہ نہیں بلکہ مدافعانہ تھے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے اس اعلان کے چند آیات بعد آیت ۳۲ میں یہ ارشاد ہوا۔ من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل انہ من قتل نفساً بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً (مائدہ آیت ۳۲) یعنی ناحق قتل و خونریزی کے انسداد کی خاطر ہم نے بنی اسرائیل پر یہ قانون نافذ کیا کہ جس شخص نے کسی مقتول کا قصاص لینے کے بغیر یا ملک میں فساد برپا کرنے کی صورت کے سوا یوں ہی کسی کو قتل کر دیا تو یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ گویا اس نے دنیا بھر کے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔

اس ارشاد میں کس قدر وضاحت کے ساتھ جارحانہ حملوں کی ممانعت مذکور ہے۔ افسوس کہ انسانی دستبرد کی بنا پر موجودہ بائبل امن انسانی کے اس سنہری قانون ربانی کے ذکر سے خالی ہے۔ یہ قرآن مجید کا ہی اس پر احسان ہے کہ اس کے گم گشتہ آسمانی احکام کی ذکر فرما کر اسے ایسے بیہودہ الزاموں اور ناجائز اعتراضوں سے بری فرمایا۔ پس جارحانہ حملہ کے جواز کا خیال ہی بالکل غلط ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ پھر معترض کے اعتراض کا کیا جواب ہوگا۔ اس کے لئے آپ ذرا غور اور نظر تامل سے کام لیں تو اس کا جواب آپ کو یہاں ہی اگلی آیت میں مل جاتا ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان

دو برگزیدہ شخصوں کے مکالمہ کا ذکر ہے قال رجلان من الذین یخافون انعم اللہ علیھما ادخلوا علیھم الباب فاذا دخلتموہ فانکم غالبون۔ یعنی خدا سے ڈرنے والے ان دو شخصوں نے جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام تھا قوم سے کہا کہ تم ان جبار لوگوں کے علاقہ کے اس سرحدی مقام میں داخل ہو جاؤ جو ارض مقدس میں داخل ہونے کا دروازہ ہے۔ جب تم اس علاقہ میں داخل ہو جاؤ گے تو یقیناً تم غالب ہو جاؤ گے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قانونی طور پر جائز رنگ میں اس علاقہ میں بنی اسرائیل کے لئے داخلہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ یوں کہ اس علاقہ اور اس کے نواح میں اپنی قوم (بنی اسرائیل) اور ان کے بھائیوں (بنی اسمٰعیل) کے بعض قبائل رہتے تھے۔ جن سے وہاں کی جبار قوم عمالیق اموری وغیرہ قوموں کی پرخاش تھی۔ پس یہ بنی اسرائیل اپنے ہی لوگوں کے علاقہ میں رہ کر ان کی اعانت و امداد میں لگ جاتے۔ اس ذریعہ سے ان کی دشمن کے حملہ کے وقت مدافعانہ رنگ میں جنگ قانوناً جائز ہو جاتی۔ مکالمہ کرنے والے ان دو بزرگوں میں سے ایک حضرت یوشع بن نون تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کے خلیفہ منتخب ہوئے۔ انتخاب خلافت کے بعد آپ نے جب اپنی جماعت کو جنگ کی تیاری کا حکم دیتے ہوئے خطاب فرمایا تو اس سے بھی اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ حملہ کس رنگ میں ہونا تھا اور داخلہ پر دشمن

کی صورت کیونکہ ممکن تھی۔ چنانچہ آپ جماعت کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"تم سب جتنے صاحب جنگ ہو ہتھیار بند ہو کے اپنے بھائیوں کے آگے آگے پرے باندھے ہوتے پار ہو جاؤ اور ان کی مدد کرو جب تک کہ خداوند تمہارے بھائیوں کو چین دے جیسے اس نے تمہیں دیا" (یشوع $\frac{1}{14-15}$)

اس کے بعد جب یروشلم کے بادشاہ پر حملہ ہوا تو کیا وہ جارحانہ تھا یا مدافعانہ۔ اس کے لئے بھی آپ صحیفہ یشوع کا باب پڑھیئے لکھا ہے۔

"جب یروشلم کے بادشاہ ادونی صدق نے سنا کہ یشوع نے عی کو سر کرکے اسے نیست و نابود کر دیا ..... اور جبعون کے باشندوں نے بنی اسرائیل سے صلح کر لی اور ان کے درمیان رہنے لگے ہیں تو وہ سب بہت ہی ڈرے ..... اس لئے اموریوں کے پانچ بادشاہ یعنی یروشلم کا بادشاہ اور حبرون کا بادشاہ اور یرموت کا بادشاہ اور لکیس کا بادشاہ اور عجلون کا بادشاہ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے اپنی سب فوجوں کے ساتھ چڑھائی کی اور جبعون کے مقابل ڈیرے ڈال کر اس سے جنگ شروع کی۔ تب جبعون کے لوگوں نے یشوع کو جو جلجال میں خیمہ زن تھا کہلا بھیجا کہ اپنے خادموں کی طرف سے اپنا ہاتھ مت کھینچ۔ جلد ہمارے پاس پہنچ کر ہم کو بچا اور ہماری

مدد کو اس لئے کہ سب اموری بادشاہ جو کوہستانی ملک میں
رہتے ہیں۔ ہمارے خلاف اکٹھے ہوتے ہیں۔ تب یشوع سب
جنگی مردوں اور سب زبردست سورماؤں کو ہمراہ لے کر
جلجال سے چل پڑا...... پس یشوع راتوں رات چل کر
ناگہاں ان پر آن پڑا اور خداوند نے ان کو بنی اسرائیل
کے سامنے شکست دی" (یشوع ۱/آتا۱۰)

اس کے علاوہ اس زمانہ میں اسرائیلی قبائل کے کنعانی علاقہ
میں موجود ہونے کا ثبوت بھی تازہ انکشافات عصریہ سے مل گیا ہے۔
چنانچہ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"منفتاح جس کے زمانہ میں بتایا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ
بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر لائے اس کے زمانہ کے ایک پرانے
اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حکومت کے پانچویں سال میں
بنی اسرائیل کے کچھ قبائل کنعان میں بس رہے تھے"

(تفسیر کبیر جلد ا سورہ بقرہ ص۴۳۲)

پس ان قبائلی بھائیوں کی امداد ہی اسرائیلی فتوحات کا ذریعہ ٹھہری۔

سورۃ النصر

کے

معارف لطیفہ

قرآن کریم کی عبارت اور مضامین میں اگرچہ گہرا ربط و تسلسل ہوتا ہے مگر بعض اوقات اس کے نظم و ربط میں ذرا غور اور دقت نظر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہی الہامی کلام کا خاصہ ہے اور یہ اس لئے کہ تا غور و تدبر سے مطالعہ کرنے والے کے دماغی قوے بھی روحانی قوے کی طرح نشو و ارتقا رہتا ہے۔ قرآن کریم کی اس خصوصیت سے متاثر ہو کر ایک یورپین مستشرق گوئٹے لکھتا ہے۔

"قرآن (کریم) کی عبارت پہلے پہل پڑھنے والے کو ذرا بے جوڑ اور بے ربط معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جونہی کہ وہ اسے اصرار کے ساتھ پڑھتا اور اس پر زیادہ غور کرتا ہے تو وہ ہمیشہ دور کھینچتی ہے یعنی زیادہ اعلیٰ معلوم ہوتی ہے اور اپنے پڑھنے والے کو مسخر بلکہ مسحور کر دیتی ہے۔ اور بالآخر پڑھنے والا قرآن (کریم) کے محیر العقول انداز بیان اور معجزانہ حسن و نظم میں بالکل گم ہو جاتا ہے۔"

بطور نمونہ بالفعل ایک چھوٹی سی سورۃ (سورۃ النصر) کو لیجیے۔
اس میں نصرت و فتح کے وعدہ کے ایفاء اور اسلامی فتوحات کے شاندار
نظارہ کے ذکر پر تسبیح اور استغفار کا حکم دیا جاتا ہے۔ حالانکہ بظاہر یوں
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خوشی کے موقعہ پر شکر و تفریح کا حکم ہونا چاہیئے
نہ کہ استغفار و تسبیح کا حکم پھر اگر اس قسم کا حکم دیا جاتا ہے۔ تو کیا تسبیح و استغفار
کو اس موقعہ سے کوئی مناسبت بھی ہے؟ یہ ہے شبہ جو سرسری طور کے
مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے۔ مگر جونہی کہ اس میں غور کرتے جاؤ اور تدبر و تفکر
سے نگاہ تعمق ڈالتے جاؤ۔ اس شبہ کا خلجان دور ہوتا جاتا۔ اور اس
ارشاد کی لطیف حکمت اور فلاسفی سمجھ آتی ہے۔ یہاں تک کہ باہمی ربط و
اتصال کی گہری مناسبت صاف نظر آنے لگتی ہے:

نصرت و فتح کے بعد تسبیح اور استغفار کے حکم کی حکمت

چنانچہ زمانہ نزول سورۃ کے حالات پر نظر ڈالو
اور عہد نبوی کے واقعات پر غور کرو۔ اوائل
زمانہ نزول وحی میں جب کہ اعداد کی طرف
سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی جاتی
تھی۔ یہاں تک کہ حرم بیت اللہ میں کھلے طور پر عبادت کی بجا آوری ممکن
نہیں تھی۔ ایسے موقعہ پر آپ کو نصرت و فتح کی بشارت اور اس محترم بیت اللہ
کے آپ کے قبضہ میں آنے اور اس قوم کے لوائے اسلام کے نیچے داخل ہونے
کے وعدے بایں ارشادات دیئے جاتے ہیں۔

ا۔ وللاخرۃ خیر لک من الاولی ولسوف یعطیک ربک

فترضی ۔ (الضحیٰ)

(ب) ۔ ان الذی فرض علیک القرآن لرآدک الی معاد (القصص)

(ج) ۔ ویقولون متی ھذا الفتح ان کنتم صادقین ۔۔۔۔ وانتظر انھم منتظرون ۔ (السجدہ)

(د) ۔ ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انھم لھم المنصورون وانّ جندنا لھم الغالبون ۔ (الصافات)

(ھ) ۔ واخری تحبّونھا نصر من اللّٰہ وفتح قریب (الصف)

(و) ۔ الا ان نصر اللّٰہ قریب ۔ یوم ینفخ فی الصور فتاتون افواجاً ۔ (النبار)

اگرچہ اس قسم کے متواتر وعدے دیئے جارہے تھے ۔ لیکن چونکہ اسباب ظاہرہ کی رو سے حالات زمانہ خلاف نظر آرہے تھے ۔ اس لئے بتقاضائے بشریت آپ کو یہ عقدہ پیش آسکتا تھا ۔ کہ یہ وعدے کس طرح پورے ہوں گے اور ان کے ظہور کے اسباب کیونکر میسر آئیں گے ایسا عقدہ منافی شان نبوت نہیں بلکہ موجب ازدیادِ ایمان اور اعطائے بصیرت و شرح صدر ہوتا ہے ۔ اسی بنا پر ابوالملۃ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی جب ملائکہ بشارتِ فرزند دیتے ہیں ۔ تو انہیں بھی یہ عقدہ پیش آتا ہے جس کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں ۔

قال ابشرتمونی علیٰ ان مسنی الکبر فبم تبشرون (الحجر)

حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی جب بشارت ملتی ہے تو عرض کرتے ہیں۔

رب انّٰی یکون لی غلٰم وکانت امرأتی عاقراً وقد بلغت من الکبر عتیاًّ۔ (مریم)

حضرت مریم صدیقہ علیہما السلام کو بھی جب بشیر اللہ بشارت دیتا ہے تو کہتی ہیں۔

انّٰی یکون لی غلٰم ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیاً۔ (مریم)

پس اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسباب ظاہرہ کی رُو سے اس قسم کا عقدہ پیش آنا بعید نہیں تھا۔ چنانچہ دوسرے موقعہ پر اس کا ذکر بھی موجود ہے۔

ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون فسبح بحمد ربک وکن من الساجدین واعبد ربک حتی یأتیک الیقین۔ (الحجر)

اس میں بتایا ہے کہ اس وجہ سے اس وقت آپ کو جو ضیق صدر پیش آرہا ہے۔ وہ جلد ہی رفع ہوجانے والا ہے۔ اور اس کا علاج تسبیح اور عبادت ہے۔ آپ اس کام میں لگ جائیے۔ یہاں تک کہ آپ پر ایک

ایسا زمانہ آئے گا کہ یہ ضیق صدر مبدل بشرح صدر ہو جائے گا۔ اور ان مواعید کا ایمان غیب سے نکل کر شہود کی صورت میں نمودار ہوگا۔ اور اس کا یقین علم سے بڑھ کر عین الیقین تک پہنچ جائے گا۔

اور سورۂ مومن میں فرمایا۔

فاصبر ان وعد اللہ حق واستغفر لذنبک وسبح بحمد ربک بالعشی والابکار۔

اس میں ذکر ہے کہ وہ ضیق صدر ایک طبعی نقص ہے۔ جس کی تکمیل اور جبر مکافاۃ استغفار اور تسبیح سے ہو سکتی ہے۔

پھر انہی ایام میں آپ کی مزید تشفی خاطر اور طمانیت قلبی کے لئے سورۂ یوسف نازل کی جاتی ہے جس میں آپ کی آئندہ کامیابی پر قصۂ یوسف کے پیرایہ میں روشنی ڈالی جاتی ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اطمینان و انشراح کہاں جو مشاہدہ کی صورت میں ہو سکتا ہے

ولیس الخبر کالمعاینۃ قالہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسی بناء پر حضرت ابو الملۃ بھی دربار ایزدی میں عرض کرتے ہیں۔

رب ارنی کیف تحی الموتیٰ قال اولم تؤمن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی پس اب فتح مکہ کے وقت جب کہ گذشتہ پیشگوئیاں پوری ہو گئیں اور نصرت و فتح کے وعدوں کا مشاہدہ ہو چکا تو اندازہ کیجئے کہ اس ایمان سابق میں کس قدر ترقی اور انشراح صدر ہوا ہوگا۔

اس وقت جب کہ ایمان کا یہ درجہ اتم اور اکمل حاصل ہوا۔ اگر پہلی حالت کی طرف نظر کی جائے۔ تو اس میں کتنا تفاوت نظر آئے گا۔ گویا چراغ کی روشنی سے نکل کر سورج کی روشنی میں پہنچے ہیں۔

اسی کو حدیث میں غین سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کا علاج بھی استغفار قرار دیا ہے۔ انہ لیغان قلبی وانی لاستغفر اللّٰہ فی الیوم مائۃ مرۃ (صحیح مسلم) لہذا اس گذشتہ نقص وقصور کی مکافاۃ کے لئے تسبیح اور استغفار کا حکم دیا جاتا ہے۔

تسبیح تو اس لئے کہ چونکہ اس شبہ کی بنا پر قدرت الٰہیہ کو گویا اسباب ظاہرہ میں محصور خیال کیا جاسکتا تھا جس کی وجہ سے تقدیس صفات الٰہیہ میں شائبۂ نقص لازم آتا ہے۔ پس اس عیب کے دھبہ سے برأت ثابت کرنے کے لئے تسبیح کے ذریعہ تقدیس کی جاتی ہے۔ اس موقعہ پر تسبیح وتقدیس ایک قانون فطری ہے جو نہ فقط نوع انسانی سے مخصوص ہے بلکہ ہم ملکوت کو بھی اسی کا پابند پاتے ہیں۔

پیدائش ابو البشر کے وقت جب خداوند عالم کا مکالمہ ملائکہ سے ہوتا ہے اور ان کے کچھ شبہات پیش کرنے کے بعد ان کو حکمت سمجھا کر تشفی کرادی جاتی ہے اور اس کا وہ مشاہدہ کر لیتے ہیں تو زبانِ معذرت سے پکار اٹھتے ہیں۔

سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔

سلسلہ اسرائیلی کے قائد اعظم حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی جب اپنی غلطی کا احساس کرتے ہیں تو فوراً یوں پکارتے ہیں۔ سبحانک تبت الیک وانا اوّل المؤمنین (اعراف)

حضرت یونس علیہ السلام کو بھی جب اپنی غلطی کا علم ہوتا ہے۔ تو درد بھرے دل سے کرب اور مصیبت کی حالت میں کہہ اٹھتے ہیں۔ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔

جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا غم دور کر دیا جاتا ہے۔

فاستجبنالہ ونجیناہ من الغم وکذلک ننجی المؤمنین۔ (انبیاء)

تسبیح کی پہلی حکمت

پس یہ تسبیح اللہ تعالیٰ کے اس لائق حمد نظام تکوین کے ظہور نتیجہ پر گویا اظہار معذرت ہے جس میں ربوبیت الٰہیہ کی رو سے پہلے یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ مومنین کی ضعیف سی جماعت کو لطائف الحیل سے تربیت دے کر ترقی کے اعلیٰ بام پر پہنچایا جائے گا جس کا ذکر دوسرے موقعہ پر اس پیرایہ میں ملتا ہے۔

ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین (القصص)

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملو الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن

لهم دینهم الذی ارتضیٰ لهم ولیبدلنهم
من بعد خوفهم امنا۔ (نور)

دوسری حکمت

اور یہ تشبیہ جیسا کہ ایک تو اظہار معذرت کی ترجمانی کرتی ہے ایسا ہی یہ دوسری طرف فتح و ظفر کے ان اسباب معنویہ کے بہم پہنچانے اور ان کے جذب و کشش کے لئے مقناطیس کا کام دیتی ہے۔ جن کے نظر نہ آنے کی وجہ سے ایفاء وعدہ الٰہی پر شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نظام عالم کو سلسلہ اسباب سے مرتبط فرمایا ہے۔ لیکن اس سلسلہ کے دو نوع رکھتے ہیں۔ ایک سلسلہ اسباب ظاہریہ اور مادیہ کا۔ دوسرا سلسلہ اسباب معنویہ اور روحانیہ کا۔ اور چونکہ روحانی اسباب بہ نسبت اسباب ظاہرہ کے اعلیٰ و برتر ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے جب آپس میں ان کا تقابل ہوتا ہے تو غلبہ و فتح ہمیشہ اسباب روحانیہ ہی کو ہوتی ہے۔ ظہور معجزات کا راز بھی اسی میں مضمر ہے۔ بعض اوقات اگرچہ اسباب مادیہ مہیا نہیں ہوتے ہوتے۔ لیکن روحانی اسباب اپنی قوت تاثیر سے انہیں بطریق خرق عادت مہیا کر دیتے۔ یا خود انہیں کا کام دینے لگ جاتے ہیں۔

حیات دنیا پر شیفتہ ہستیوں کا نصب العین اگرچہ قسم اول ہی ہوتا ہے۔ لیکن مسلم کا اعتماد ہمیشہ قسم دوم پر ہی ہوا کرتا ہے۔ دوسری قوموں میں اسباب مادیہ اگرچہ فائق رہتے ہیں۔ مگر اسباب روحانیہ کی کثرت مسلم ہی کے نصیب ہوتی ہے۔ پس ان اسباب روحانیہ کے جذب و کشش کے طریقے بتانا

بھی اس علیم و حکیم ذات کے لئے ضروری ہے۔
چنانچہ ایک طرف اگر مسلم کو کامیابی کے لئے صبر و استقلال کا ارشاد ہوتا ہے۔ تو دوسری طرف اسباب فتح و ظفر کے جذب کے لئے اسے تسبیح اور تحمید کا حکم بھی دیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہوں آیاتِ ذیل۔

۱۔ فاصبر علیٰ ما یقولون وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب ومن اللیل فسبحه وادبار السجود (ق آیت)

۲۔ فاصبر علیٰ ما یقولون وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبها ومن اٰناء اللیل فسبح واطراف النهار لعلک ترضیٰ (طٰہٰ)

۳۔ فاصبر لحکم ربک ولا تطع منهم اٰثما او کفورا واذکر اسم ربک بکرة واصیلا ومن اللیل فاسجد له وسبحه لیلا طویلا۔ (الدھر)

۴۔ واصبر لحکم ربک فانک باعیننا وسبح بحمد ربک حین تقوم ومن اللیل فسبحه وادبار النجوم۔ (الطور)

۵۔ وتوکل علی الحی الذی لا یموت وسبح بحمده وکفیٰ به بذنوب عباده خبیرا (الفرقان)

۶۔ وانه لحق الیقین فسبح باسم ربک العظیم۔ (الحاقۃ)

۷۔ ان ھذا لھو الحق الیقین فسبح باسم ربک العظیم۔ (الواقعہ)

حضرت زکریا علیہ السلام بھی جب تکمیل بشارۃ میں اسباب ظاہرہ کی کمی پاتے ہیں، تو انہیں بھی اسی تسبیح اور ذکر الٰہی کا حکم ہوتا ہے۔

واذکر ربک کثیراً و سبح بالعشی والابکار (آل عمران)

اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے نہ فقط آپ بلکہ اپنی قوم کو بھی اسی کی تلقین کرتے ہیں۔ فخرج علیٰ قومہ من المحراب فاوحیٰ الیھم ان سبحوا بکرۃ وعشیا۔ (آل عمران)

یہی تسبیح ہر ایک مشکل راہ کو آسان کرنے والی ہے۔ سبح اسم ربک الاعلیٰ الیٰ قولہ ونیسرک للیسریٰ۔

اس میں تصریح ہے کہ تسبیح کے ذریعہ تمام آسانیوں کی راہیں کھلنے والی ہیں۔ یہی وہ روحانی طاقت ہے جس کے ذریعہ مذہبی قومیں تھوڑے سے وقت میں وہ امور سرانجام دیتی اور منازل ترقی اتنی جلد طے کر لیتی ہیں جن کو بڑی سے بڑی قومیں کئی قرنوں اور صدیوں میں بھی نہیں کر سکتیں،

پس جب فتح وظفر کے اسباب روحانیہ کے جذب وحصول کے لئے ابتداء امر میں تسبیح کا ارشاد ہوا تھا تو یہاں پر شبہ ہو سکتا تھا کہ اب فتح وظفر کے وقت جب کہ وہ اسباب مکمل طور پر حاصل ہو چکے۔ غالباً تسبیح کی ضرورت نہیں ہوگی، لہذا اس شبہ کے دفعیہ کے لئے پھر حکم جدید

صادر ہوتا ہے جس سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اب بھی فاتحانہ اقتدار کے قیام و بقاء کے لئے اسباب روحانیہ کے اصول کی ویسے ہی ضرورت ہے۔ جیسے ابتداء میں حصول فتح کے اسباب کی ضرورت تھی۔

پس گویا مسلم کو عسر و لیسر، صبر و فتح کی ہر ایک گھڑی میں اس قانون تسبیح کی پیروی کرنا لازم ہوگا۔ کیونکہ یہی ذریعہ حصول کمالات ہے اسباب مادیہ کے پرستاروں سے اگر اسے تفوق ہے تو اسی ذریعہ سے ہے۔ بلکہ بعثت افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی درحقیقت یہی مقصود ہے۔

انا ارسلناک شاھداً و مبشراً و نذیراً
لتؤمنوا باللہ و رسولہ و تعزروہ و توقروہ
و تسبحوہ بکرۃ و اصیلاً (الفتح)

اس مقصد کے لئے موسیٰ علیہ السلام بھی اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی شمولیت کی استدعا کرتے ہیں۔ واجعل لی وزیراً من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری و اشرکہ فی امری کی نسبحک کثیراً و نذکرک کثیراً (طٰہٰ) یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس قدر اعوان و انصار کی کثرت ہوگی۔ اسی قدر اس مقصد کی بجا آوری میں بھی سہولت ہوگی۔ اور اس وقت اس فرض تسبیح کی ذمہ داری بھی زیادہ عائد ہوگی۔

اسی بناء پر ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً۔ یہ حکم تسبیح خصوصیت سے عائد ہوتا ہے۔

حکمت استغفار یہ وجوہ و حکم تو تسبیح کے متعلق تھے۔ اب رہا استغفار تو یہ اس ذنب کی وجہ سے ہے جو اس شبہ کے وقت تقدیس صفات الٰہیہ میں نقص آنے کی وجہ سے لازم آتا ہے۔ چنانچہ اس ذنب کی تشریح کے لئے سورۂ حجر اور سورۂ مومن کی گزشتہ آیات اور سورۂ محمدؐ کی آیت ذیل ملاحظہ ہو۔ واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات (محمد آیت) جن سے ایک طرف تو حکم استغفار کی علّت معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ ذنب تھا اور دوسری طرف ذنب کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ ضیق صدر تھا۔ بحمد اللہ تتبع کرنے سے یہی تفسیر محققین سے بھی پاتے ہیں۔

"فی غرائب القرآن للنیسابوری امرہ بالتسبیح ثم بالحمد ثم بالاستغفار فکانہ صلی اللہ علیہ وسلم ضاق قلبہ عن تاخیر النصر کما قال وزلزلوا حتٰی یقول الرسول والذین اٰمنوا متٰی نصر اللہ فامر بالتسبیح تنزیھاً للہ عما لا یلیق بکمالہ وحکمتہ وعنایتہ بخلقہ"

یہاں سے آیت انا فتحنا لك فتحاً مبيناً ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے۔

استغفار کی دوسری حکمت یہ استغفار جیسے کہ گزشتہ نقص و قصور سے ویسا ہی ان آئندہ نقائص و تغیرات

سے بھی ہے جو کہ فتح کے بعد پیش آنے والے ہیں جن کی تشریح استغفار کے تیسرے معنی میں عنقریب آتی ہے۔ طمانیت قلبی کے لئے ناظرین اس جگہ بعض محققین کی بھی تعبیر ملاحظہ کریں۔

فی غرائب القرآن "فاستغفر لذنبك وهو الاشتغال بما عسی ان یقع من لذة الحیاة والقبول وللمومنین والمومنات لانهم کلما کانوا اکثر کانت ذنوبهم اکثر وکانت احتیاجهم الی الاستغفار اکثر"

تسبیح واستغفار کی صورت نوعیہ	تسبیح و استغفار کی حکمت معلوم کر لینے کے بعد باقی تحقیق طلب

امر یہ رہا کہ اس تسبیح و استغفار کی نوعیت کیا ہوگی تو گذشتہ آیات پر ایک دفعہ پھر نظر ڈالئے اور ساتھ ہی آیات ذیل کی بھی تلاوت کیجئے۔

(۱) فسبحان الله حین تمسون وحین تصبحون وله الحمد فی السماء والارض وعشیًا وحین تظهرون (روم)

(ب) یا ایها الذین آمنوا اذکروا الله ذکرًا کثیرًا وسبحوه بکرة واصیلًا (احزاب)

(ج) ومن اللیل فاسجد له وسبحه لیلًا طویلًا (۱)

(د) یسبح له فیها بالغدو والآصال (نور)

وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ (آل عمران)

وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (الذاریات)

(۵) ان آیات کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ اِن تسبیح کی بہترین صورت نماز ہی ہے۔ اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان آیات تسبیح کی تاویل ادعیہ رکوع و سجود ہی قرار دیتے ہیں۔

واقعی نماز ہی ایک ایسی جامع عبادت ہے جس میں تسبیح واستغفار، ادعیہ و اذکار قرأۃ قرآن. تضرع وانابت اور تقرب الی اللہ کے تمام ذرائع موجود ہیں۔

اسرار نماز

جب ہم حقیقت نماز پر غور کرتے ہیں تو اس کو ایک ایسی حقیقت جامعہ پاتے ہیں جس میں حیات انسانی کے ہر ایک شعبہ عمل کا دستور نظر آتا ہے۔

۱۔ دربار احکم الحاکمین میں حاضری اور پھر ہمکلامی کا شرف جو تعلق باللہ کا انتہائی مقام ہے اس میں پاتے ہیں۔ اِنَّ الْمُصَلِّي يُنَاجِي رَبَّهُ.

۲۔ مسلم کی حیات ملیہ کے قانون وارتقاء کا درس ومطالعہ بھی اسی میں ہوتا ہے۔

۳۔ فرقان حمید کے نشر و تحفظ کا بہترین ذریعہ بھی ہم اس نماز کو پاتے ہیں

۴۔ گذشتہ نقائص وقصور کا محاسبہ اور آئندہ ترقی کے لئے بہترین راہ صراط مستقیم کی رہنمائی کی استدعا کا موقعہ بھی یہی نماز ہے۔

۵۔ قوموں کی تہذیب و شائستگی اور اتحاد قومی کے درج پر شد منظر کا اعلیٰ نمونہ اگر کوئی دیکھنا چاہے تو اسے نماز ہی کا نظارہ کرنا چاہئے۔

۶۔ علم النفس کا ماہر اگر نفسیات فردیہ کے نفسیات اجتماعیہ میں محو ہونیکا نقشہ دیکھنا چاہے تو اسے بھی ان صف آراء نفوس کی طرف نظر ڈالنی چاہیئے جن کا بولنا تک امام کی زبان میں ہوتا ہے۔

من کان لہ امام فقراءۃ الامام قراءۃ لہ۔

۷۔ سیاسیات کا ماہر اگر امت مسلمہ کے سیاسی اصول پر مطلع ہونا چاہتا ہے تو اسے بھی جامعہ سیاسیہ۔ ان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا کی طرف نگاہ ڈالنی چاہیئے۔

۸۔ فن حربیات کا ماہر اور ایک بہترین جرنیل اگر مسلم جماعت کی فوجی زندگی کا فوٹو اتارنا چاہتا ہے۔ تو اسے بھی صفوف مساجد پر تھوڑی دیر نگاہ بصیرت ڈالنی چاہیئے۔ جہاں ان فدائیان اسلام کو احکم الحاکمین کے قانون کی اشاعت میں جان قربان کرنے کے لیے ورزش کرائی جاتی اور گویا پیغام ذیل سنایا جاتا ہے۔

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفاً کانھم بنیان مرصوص۔ (صف)

۹۔ فلسفہ تعلیم کا ماہر اگر مسلم جماعت کے نظام تعلیمات سے واقف ہونا چاہتا ہے تو اسے بھی ملیہ تعلیم کی ان مختلف درسگاہوں پر غور کرنی چاہیئے جن کے حسب ذیل متعدد طبقات ہیں۔

اوّل: عامہ مساجد جو گویا اسلامی تعلیم کے سکول ہیں۔

دوسرے - جامع مساجد گویا ہائی کالج ہیں۔

سوئم - مسجد الحرام جو تمام عالم اسلامی کی مرکزی یونیورسٹی ہے۔

واذ جعلنا البیت مثابۃً للناس - احادیث میں بھی اس لئے ان کے متعلق مختلف درجات ثواب مذکور ہیں۔

یہ ہی ہائی تعلیم کے متعدد مناظر ہیں جو مختلف طبقات کے گریجویٹ نکل کر علی حسب المراتب دنیا میں تعلیم الٰہی کا غلغلہ بلند کر رہے ہیں۔

۱۰ - علیٰ ہذا القیاس شریعت غرّاء کے نظام عدلیات پر اگر کوئی شخص نظر ڈالنا چاہے تو اسے بھی انہی مساجد کی دوسری حیثیت پر نگاہ ڈالنی چاہیئے جن میں اسے آئین جمہوریت اور نظام شوریٰ کے موافق مسلم جماعت کے افراد و حکام نظر آئیں گے۔

پس تعجب ہے اس شخص پر جو ایسی حقیقت جامعہ جو تمام دین کا خلاصہ اور امت مسلمہ کے اعمال حیات کا اصل الاصول ہے یعنی نماز کو چھوڑ کر کیسے وہ اپنے آپ کو زمرۂ مسلم میں گنوانا چاہتا ہے جبکہ خوف ہے کہ کہیں اس زبردست روحانی حربہ سے مسلح نہ ہونے کے باعث ارباب شرک کے طاغوتی حملوں کا شکار نہ ہو جائے۔ اس کی طرف قرآن حکیم ایک موقعہ پر یوں توجہ دلاتا ہے۔ اقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین (روم) نماز کی پابندی کرو ایسا نہ ہو کہ کہیں مشرک بن جاؤ۔

عود الی المقصد خلاصہ کلام یہ کہ اس وقت آپ تسبیح و استغفار کے دو مختلف عنوانوں کو ایک حقیقت جامعہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یعنی نماز اور یہ نہ فقط ہماری ہی رائے ہے بلکہ تتبع کرنے سے بحمد اللہ سلف کا استنباط بھی یہی نظر آتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"الذی فسربہ بعض الصحابۃ من جلساء عمرؓ من انہ قد امرنا اذا فتح اللہ علینا المدائن والحصون ان نحمد اللہ ونشکرہ ونسبحہ یعنی نصلی ونستغفرہ معنی ملیح صحیح وقد ثبت لہ شاہد من صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم فتح مکۃ"

پس فتح کے بعد امت مسلمہ کا یہی فرض ہے کہ دنیا میں تسبیح و استغفار کا غلغلہ بلند کرے۔ شیدائیان حیاۃ دنیا جب کبھی فتح پاتے ہیں تو غرور و تجبر میں سرشار ہو کر سیاست فرعونی کا اظہار کرتے ہیں۔

ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا

وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ۔

مگر امت مسلمہ کی یہ شان ہونی چاہیئے کہ اس فتح و ظفر کے وقت بھی جو کہ نفس کی کامل آزادی کا زمانہ ہوتا ہے اپنی عجز و فروتنی کو پیش نظر رکھتے ہوتے اپنے فرض منصبی یا مقصد حیات (نماز) میں مصروف ہو جائے

چنانچہ قرآن حکیم میں اسی کو مقصود فتح بتایا گیا ہے ۔ الذین ان مکنّاھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ (الخ)

اس کی نظیر آپ کو سورۃ الکوثر میں ملے گی جہاں خیر کثیر کی نعمت (قرآن حکیم) کے پانے پر بھی فریضۂ صلوٰۃ کا حکم صادر ہوتا ہے ۔ انّا اعطیناک الکوثر فصل لربک وانحر ۔

وہ تو عطائے نعمت کی ابتدا تھی ۔ اب اس آخرین نتائج کامیابی (نصرت و فتح) کے ظہور پر بھی حکم صلاۃ صادر ہوتا ہے ۔ یہاں سے پتہ ملتا ہے کہ حقیقت میں اس فتح و ظفر کی عمارت کا سنگ اولین بھی یہی نماز ہی ہے ۔

نزول سورۂ کوثر کے وقت اگر اس شجر اقبال کی تخم ریزی تھی ۔ تو نزول سورہ نصر کے وقت اس شجر کی بار آوری ہے ۔

استغفار کا دوسرا معنی اگرچہ تفسیر الآیات بالآیات کی رو سے استغفار کا معنی سابق ہی انسب معلوم ہوتا ہے ۔ لیکن ربط سورۂ ماقبل کی رُو سے ایک اور معنی بھی مناسب نظر آتا ہے ۔ یعنی استغفار صلی اللہ علیہ وسلم لقومہ ۔ چنانچہ اس سے پہلی سورۃ سورۂ کافرون کی تلاوت کیجئے ۔ اس میں آپ کو کفار سے تعلقات منقطع کرنے کا اشارہ ملے گا ۔ اور یہ سورۃ گویا ہجرت کا پیش خیمہ ہے اور لکم دینکم ولی دین سے کفار کو ان کے اس انجام بد کی پیشگوئی سنائی گئی ہے جس کا ظہور ہجرت کے بعد ہونے والا ہے اب چونکہ

ان کا کفر و شرک اور ان کی شر و شیطنت کی تحریکات کھلم کھلا صورت اختیار کر چکی ہیں۔ اس لئے مومنوں کو ان سے علیحدہ رہنے اور تعلقات منقطع کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس لئے بعض محققین سلف اس سورۃ کو سورۃ المنابذۃ بھی لکھتے ہیں۔ (دیکھو تفسیر کبیر رازی) اور منابذۃ وشنانہ تعلقات منقطع کرنے کو کہتے ہیں۔ فانبذ الیھم علی سواء۔

پس چونکہ اس وقت تمام قومی تعلقات چھوڑنے لازم ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ قلبی تعلق جو سب تعلقات سے وسیع تر نبی کا اپنی امت سے ہوتا ہے یعنی دعا اور استغفار اس کو بھی قطع کرنا پڑے گا حسب ارشاد ذیل۔

ما کان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ من بعد ما تبیّن لھم انھم اصحاب الجحیم (توبہ)

پس اس وقت تو قطع استغفار ان کے تبیّن کفر اور یاس ایمان پر مبنی تھا۔ لیکن اب (یعنی فتح کے بعد) جب کہ اس قوم کے متمرد پیشوا جو گویا اس قوم کے دل و دماغ تھے۔ جن کے فاسد ہونے کی وجہ سے تمام جسد قومی فاسد ہو چکا تھا۔ تباہ و فنا ہو چکے اور اب اس قوم نے ایک نیا چولا بدلا۔ وہی قوم اس وقت جوق در جوق زیر سایہ اسلام آ رہی ہے۔ یدخلون فی دین اللہ افواجاً۔ تو چونکہ اب حالات قومی بدل چکے۔ اس لئے منع استغفار کا حکم بھی مبدّل با جازت ہو چکا۔ لہٰذا اب تمہیں اس قوم کو گذشتہ تقصیرات سے معافی دینا اور ان کیلئے

استغفار کرنا چاہیئے کیونکہ قانون الٰہی یوں ہے ۔

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابًا رحيمًا (نساء)

(ترجمہ)، جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تو اگر آپ کے پاس آتے، پھر اللہ کی بخشش مانگتے اور رسول ان کے واسطے استغفار کرتا تو یقیناً وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے،

یہ استغفار یوسف علیہ السلام کے اس فعل کی نظیر ہے جو انہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا ۔ لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین ۔ پس وہاں تو اشارہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کے ساتھ یوں ہی کرنا چاہیئے اور یہاں اس کی تصریح کر دی گئی ،

اور جب ہم قرآن مجید پر نظر ڈالتے ہیں ، تو اس معنی کے اور بھی شواہد پاتے ہیں ،

۱۔ یا ایھا النبی اذا جاءک المومنات یبایعنک فبایعھن واستغفر لھن اللہ ان اللہ غفور رحیم ۔ (ممتحنہ)

۲۔ فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم

فی الامر (آل عمران)

۳۔ فاذا استاذنوک لبعض شانھم فاذن لمن شئت منھم واستغفر لھم اللہ۔ (النور)

تسبیح واستغفار کا ایک اور معنی اصول عمرانیت اور نظام الاجتماع کی حیثیت سے

اس سورۃ کے موضوع پر اگر نظر ڈالی جائے تو اس اعتبار سے ایک اور لطیف معنی بھی چھپاں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ موضوع سورۃ یہ ہے کہ فاتح قوم کو بعد فتح کے کیا کرنا چاہیئے اور اس وقت اس کے کیا فرائض ہوں گے۔ جس پر اس سورۃ میں یوں روشنی ڈالی گئی ہے کہ وہ دو فرائض ہیں۔ تسبیح اور استغفار۔

پہلا فرض تسبیح

چونکہ قبل از فتح امت مسلمہ کی توجہ مذہبی آزادی منوانے اور مخالفوں کی تحریکات روکنے کی طرف منعطف تھی۔ لہذا اس سے فارغ ہونے کے بعد اب اس کے لئے دوسرے فرائض عائد ہوں گے۔ یا یوں کہو کہ پہلے اشاعت و تبلیغ ان کا غرض تھا۔ اب اصلاح و تربیت کے فرائض عائد ہوں گے۔ جن کے اصولی طور پر دو قسم ہیں۔ قسم اول تسبیح۔ دوم استغفار۔

نظام اصلح تسبیح فعلی ہے

ان دو قسموں میں سے پہلی قسم یہ ہے کہ جس رب نے تمہیں تربیت دے کر اس مرتبہ پر پہنچایا تو اب تمہارا فرض ہے کہ تمام اقوام کو اس مرتبہ پر پہنچانے کی تم بھی کوشش

کرو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں امۃً وسطاً اور خیر امت بنایا ہے۔ لہذا تخلقوا باخلاق اللہ کا عملی نمونہ بن کر دنیا کو اپنے رنگ میں رنگین کرو۔ اور وہ رنگ کیا ہے۔

صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ ونحن لہ عابدون۔

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات حمیدہ اور افعال حسنہ لائق حمد ہیں اور تمام کائنات اس کے نظام احسن پر شاہد ہے۔ یسبح للہ مافی السمٰوات ومافی الارض وان من شیئ الا یسبح بحمدہ۔ پس تم بھی چونکہ خلیفۃ اللہ ہو۔ اس لئے تمہیں بھی اس کے مطابق نظام اصلح قائم کرکے دنیا کو تسبیح کناں اور شاہد نظام اعلیٰ بنا دینا چاہیئے۔ وھو التسبیح الفعلی۔

عالم علوی میں جیسا کہ عرش الٰہی کے اٹھانے والی ہستیاں ملاء اعلیٰ اسی فرض میں مشغول ہیں۔ الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم۔ تری الملائکۃ حافین من حول العرش یسبحون بحمد ربھم (مومن)

ایسا ہی عالم دنیا میں خلافت الٰہیہ کے تخت کو اٹھانے والی ہستیاں چونکہ تم ہو۔ اس لئے تمہیں بھی انہی فرائض کا پابند ہونا چاہیئے جو ملاء اعلیٰ کے ہیں۔

دوسرا فرض استغفار قوم جس وقت ترقی کی راہ میں ہوتی ہے۔ اور

منزل فتح تک نہیں پہنچی ہوتی تو اس وقت چونکہ جذبات بھڑکے ہوتے ہیں۔ ان کے دل و دماغ فتح کی آرزوؤں سے لبریز ہوتے ہیں۔ اور ان کو اپنی کوتاہیاں بھی پیش نظر ہوتی ہیں۔ اور ہر ممکن ذریعہ سے اسکی دفعیہ کی ساعی رہتی ہیں اور جانتی ہیں کہ سب کچھ ہمارے سعی بازو پر منحصر ہے اگر ذراسی بھی سستی اور غفلت کی تو معاملہ دگرگوں ہو جائے گا۔ مگر فتح کے بعد معاملہ بالکل برعکس ہو جاتا ہے۔ بوجہ غلبہ فاتحانہ کے اپنی طاقت اور قوت پر غرور ہوتا ہے۔ اور مخالف طاقتوں کو ہیچ سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ ادھر دنیا کے خزانوں کی کنجیاں ان کے ہاتھوں میں آجاتی ہیں۔ اور سامان عیش و راحت دامنگیر ہو جاتے ہیں۔ اُدھر وہ جوش بوجہ فتح کے ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اس لئے ترفہ و تعیش میں پڑ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب اس قدر جدوجہد کی ضرورت نہیں بلکہ اب تو عیش و عشرت کے سامانوں سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ ایسے وقت میں لازماً قوم میں تنزل کے جراثیم بھی پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ اگر ان کی طرف فوری توجہ اور وہ بھی پوری طاقت کے ساتھ نہ کی جاتے تو قریب ہے کہ یہ جراثیم بڑھ کر قوم کو فنا کر دیں۔ لہذا اب فاتح قوم کا یہ دوسرا فرض ہے کہ قوم کی ان کوتاہیوں کی تشخیص اور ان کے معالجہ کی طرف توجہ کرے۔ وھو الاستغفار الفعلی۔

تسبیح واستغفار کی ایک اور حکمت علم الاحسان کی رُو سے

اسلامی تعلیم کو اصولی طور پر دو قسموں میں منقسم کیا جا سکتا ہے علم الشرائع۔ علم الاحسان۔ نبی کی بعثت کا

مقصد اگرچہ ان ہر دو علوم کی نشر واشاعت ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں اصل مقصد جو بمنزلہ مغز اور روح کے ہے وہ علم الاحسان ہے۔ قوانین شرائع درحقیقت اسی علم الاحسان کے صور اور لباس ہیں۔ علم الشرائع کو اگر آپ ایک درخت فرض کریں تو علم الاحسان کو اس کا ثمر تصور کیجئے۔ دین ان تین حقائق کے مجموعہ کا نام ہے۔ جن کی تشریح آپ کو حدیث سوال جبریل میں بعنوانات ذیل ملے گی۔ اسلام۔ ایمان۔ احسان۔ پس انبیاء علیہم السلام کا مطمح نظر اگرچہ علم الاحسان ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اس کے اخذ و حصول کا ذریعہ علم الشرائع ہی ہے۔ اس لئے ان کی توجہ زیادہ تر اسی طرف رہتی ہے۔ اور دوسرے قسم کی تعلیم و تلقین بھی اسی کے ضمن میں ساتھ ساتھ ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک ایسی جماعت تیار کر لیتے ہیں جو حامل علوم شرعیہ اور نافذ قوانین الٰہیہ کی ہو سکے۔ اس کی طرف سورہ انشراح کی آیت ذیل میں اشارہ ہے۔ ووضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك۔ پس جب انبیاء علیہم السلام ایسی جماعت تیار کر چکتے ہیں۔ تو گویا ایک حد تک اس فرض سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اب انہیں زیادہ تر توجہ اس دوسری قسم کی طرف کرنی پڑتی ہے جس کا ارشاد سورہ انشراح میں یوں تھا۔ فاذا فرغت فانصب والی ربك فارغب۔ بنا بریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ مکہ ہی میں ایک ایسی جماعت تیار کر لی تھی جو تمام قوم عرب کا دل و دماغ تھی اور جو خلافت الٰہیہ کے حامل ہونے کی پوری قابلیت رکھتی تھی۔ چنانچہ صدیق و فاروق جیسی ہستیاں اس پر بیّن شاہد ہیں۔ لیکن چونکہ ایک اور

مرحلہ باقی رہا ہوا تھا۔ وہ یہ کہ دنیائے اسلام کا مرکز (بیت اللہ) اس وقت آزاد نہیں تھا جس کے آزاد ہو کر آپ کے قبضہ اقتدار میں آنے کا وعدہ بھی انہی مکی سورتوں میں کر دیا گیا تھا۔ پس اب جب کہ مکہ فتح ہو چکا اور دار الخلافت الالٰہیہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ ادھر آپؐ نے حاملین خلافت الٰہیہ کی ایک اعلیٰ جماعت ایسی تیار کر دی جو دین اسلام کی کامل محافظ تھی اور جو خلافت الٰہیہ کے فرائض کو پورے طور پر سرانجام دے سکتی تھی تو اس وقت گویا آپ ایک حد تک اس کام سے فارغ ہو چکے لہٰذا اب وقت ہے کہ آپ دوسرے قسم کے کام میں ہمہ تن مشغول ہو جائیں جس کا حکم فاذا فرغت فانصب کے ذریعہ دیا گیا تھا۔ پس انہی دنوں میں سورۂ نصر نازل ہوئی جس میں اس حکم سابق کی یاددہانی کراتے ہوئے ان فرائض کی تشریح کر دی گئی جو عالم ملکوت سے تعلق رکھنے والے ہیں۔

والملائکۃ یسبحون بحمد ربھم ویستغفرون
لمن فی الارض۔ (شوریٰ)

فالذین عند ربک یسبحون لہ باللیل والنھار
وھم لا یسئمون۔ (حم سجدہ)

چنانچہ آپ اب اسی کی تعمیل میں پورے سرگرم نظر آتے ہیں جیسا کہ احادیث میں ہے۔

عن ابن عباس لما نزلت ھٰذہ السورۃ اخذ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اشد ما کان

اجتہاداً فی امر الاخرۃ (نسائی)

پس اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسبیح و استغفار کا حکم دینا جو سفر آخرت کے لئے بمنزلہ زاد راہ کے ہے اور ملاً اعلیٰ کے زمرہ میں شامل ہونے کے لئے بمنزلہ وسیلہ کے ہے ۔ درحقیقت آپ کی وفات اور رحلت ہی کا اعلان ہے ۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ یہاں سے اشارۂ وفات سمجھ رہے تھے ۔

عن ابن عباس لما نزلت اذا جاء نصر اللہ قال نعیت الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفسہ حین انزلت ۔ (ابن کثیر)

دراصل وفات آنحضرت صلعم کا حل سورۂ نصر کے ساتھ سورۂ انشراح کو ملانے اور سورۂ یوسف کی آیت ذیل ملحوظ رکھنے سے بخوبی ہو جاتا ہے

رب قد آتیتنی من الملک وعلمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین ۔

یہ آیت اسی سورۃ کا حصہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقبل زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے ۔ پس جب کہ یوسف صدیق تخت سلطنت پر متمکن ہونے اور اپنے بھائیوں کا اپنے زیر سایہ آکر اپنی پیشگوئی کے پورے ہونے اور حیات دنیا کے مدارج ارتقاء طے کر لینے کے بعد

زمرہ صالحین کے ساتھ لاحق ہونے کی استدعا کرتے ہیں۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی آخری دم حیات میں یہ استدعا فرماتے ہیں۔

اللھم بالرفیق الاعلیٰ۔

تسبیح واستغفار کے حکم کی پانچویں حکمت

چونکہ اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا اشارہ تھا اور قرب وفات کے باعث اب اس قوم کو جو فتح مکہ کے بعد اسلام لا رہی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت صحبت میں زیادہ عرصہ رہنے اور آپ کے زیرسایہ رہ کر تربیت پانے اور مدارج روحانیت کی تکمیل کرنے کا اس قدر موقعہ نہیں مل سکے گا جس قدر قبل از فتح اسلام لانے والوں کو ملا ہے۔ بنابریں ان کی روحانی تربیت میں کمی کا رہ جانا لازمی امر ہے۔ علاوہ ازیں اسلامی فتوحات کے زمانہ میں اسلام لانے والے بعض ایسے بھی ہوں گے جن کے اسلام قبول کرنے کی محرک دنیوی اغراض اور نفسانی خواہشات ہوں گی جن کے پورا نہ ہونے کے باعث آخر انہی لوگوں کے ہاتھوں آئندہ فتنے بھی پیدا ہونگے (مثل مسیلمہ کذاب وغیرہ) یہاں تک کہ وہ نومسلمین جن کی روحانیت کی تکمیل نہیں ہوئی ہوگی ان فتنوں میں پھنس کر ایک بڑے فتنہ فتنۂ ارتداد کا شکار ہو جائیں گے جس کی قرآن حکیم میں ایک دوسری جگہ یوں خبر دی گئی تھی۔

یٰاایھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن

ومنہ فسوف یأتی اللہ بقوم یحبہم ویحبونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین ۔ (المائدہ)

اور احادیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ سورۃ النصر کو تلاوت کر کے فرمایا۔

لیخرجن منہ افواجاً کما دخلوا فیہ افواجاً

رواہ الحاکم عن ابی ھریرۃ و صححہ (در منثور)

پس لازم تھا کہ اس سورۃ میں ان فتنوں سے بچانے کی تدبیر بھی بتادی جاتی ۔ چنانچہ آگے تسبیح و استغفار کے حکم میں انہی فتنوں کے انسداد کا علاج ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانی توجہ اور دعائیں ان کے زہریلے اثرات مٹانے کے لئے تریاق کا کام دیں گی اور انہیں کی تاثیر اور آپ کے روحانی افاضہ سے آئندہ خلفاء مبعوث ہو کر ان فتنوں کا قلع قمع کریں گے ۔ چنانچہ پہلا فتنہ جو خلافت صدیقی کے عہد میں اٹھا جس میں سینکڑوں نہیں ہزاروں مبتلا ہو کر طوفان ارتداد کی رَو میں بہہ گئے ۔ مگر بالآخر احسن شفیع الکل کی تسبیح و استغفار کی شفاعت نے بروز محمدی (صدیق اکبرؓ) کے ہاتھ سے اسے مٹا کر یدخلون فی دین اللہ افواجاً کا دوبارہ نظارہ کرایا ۔ اسی طرح آخری زمانہ کا وہ عالمگیر فتنہ (جو تمام فتنوں سے بڑھ کر تھا ۔ جس کی نظیر ابتدائے عالم سے اب تک نہیں ملتی جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنۃ عمیاء صمّاء فرمایا یعنی وہ دجالی فتنہ

جس کی پہلے انبیاء بھی خبر دیتے آئے اور آنحضرت صلعم نے خاص طور پر امت کو اس سے ڈرایا) اس کے مٹانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ قلبی اور افاضہ رُوحانی سے آپ کے بروز اکمل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث کیا۔ جنہوں نے اس عالمگیر فتنہ کا مقابلہ کیا اور نہایت ہی کامیاب مقابلہ کیا۔ مگر اس مقابلہ میں ان کا سب سے بڑا ہتھیار کیا تھا۔ اس کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان سے ہی سنیئے:۔

"آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس قدر فتنہ کی مٹانا ظاہری اسباب کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتا۔ ہمارا بھروسہ صرف ان دعاؤں پر ہے جو کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور میں کرتے ہیں"

قرآن مجید سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ دجال کا فتنہ محض دعا کے ذریعہ سے ہی دُور ہوگا۔ اور احادیث میں ہے کہ کفار مسیح موعودؑ کے دم سے مریں گے۔ نیز احادیث میں یہ لکھی ہے کہ مسیح موعود اپنی جماعت کو تسبیح و استغفار کا حکم دیں گے۔ اور تسبیح و استغفار اس وقت ان کی غذا ہوگی (دیکھو صحیح مسلم باب نزول عیسیٰ)

یہ اسی فرمان الٰہی فسبح بحمد ربک واستغفرہ کی تعمیل ہوگی۔ آج اس پیشگوئی کا وہ موعود زمانہ ہے جس کے کان ہوں سُنے اور جس کی آنکھیں ہوں دیکھے۔ اور چاہیئے کہ جماعت احمدیہ بھی اپنے فرض کو پہچانے اور اس تعمیل میں سر توڑ کوشش کرے اور اسی

روحانی غذا کو حاصل کرے جو فتنۂ دجال کے زمانہ قحط سالی میں اس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مہیا کی ہے نزلاً من عند اللہ وما عند اللہ خیر للابرار۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

سوختنی قربانی کی اصل حقیقت کیا تھی؟

سوختنی قربانی جو بنی اسرائیل میں کبھی رائج رہی درحقیقت بُت پرستوں کی یادگار ہے جو اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے قربانی کو جلایا کرتے اور سمجھتے کہ دیوتا ان کی خوشبو سونگھ کر خوش ہوتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں جب بُت پرستی جاری ہوئی اور مشرکانہ عقائد و رسومات کو انہوں نے اپنایا تب سوختنی قربانی کا بھی ان میں رواج ہوا۔ اور یہ عقیدہ بنا کہ خدا قربانی کو جلانے پر اس کی بُو سونگھ کر خوش ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہما السلام کی طرف بھی اس عقیدہ کو منسوب کر دیا گیا چنانچہ پیدائش ۸/۲۰-۲۱ میں ہے کہ نوح نے خداوند کے لئے مذبح بنایا اور اس پر سوختنی قربانیاں چڑھائیں اور خدا نے خوشنودی کی بُو سونگھی۔ اور حضرت ابراہیمؑ کے متعلق بھی یہ لکھا کہ حضرت ابراہیمؑ کو "خدا نے کہا کہ تو اپنے بیٹے اسحاق کو جو تیرا بیٹا ہے سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا....

تب ابراہیم نے سوختنی قربانی کی لکڑیاں لے کر اپنے اضحاق پر رکھیں اور آگ اور چھری اپنے ہاتھ میں لی...... لکڑیاں چنیں اور اپنے بیٹے اضحاق کو باندھا اور اسے قربان گاہ پر لکڑیوں کے اوپر رکھا۔"

(پیدائش ۲۲/۶-۹)

قرآن مجید نے اس جھوٹ کی قلعی کھولی اور اصل حقیقت کا انکشاف کیا کہ قربانی کا گوشت بے وقوفوں کی طرح جلا کر راکھ نہ کیا کرو بلکہ اسے خود کھاؤ اور محتاجوں کو کھلاؤ۔ فکلوا منھا واطعموا البائس والمعتر۔ (الحج آیت ۳۷)

اور فرمایا۔ لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقوی منکم (الحج آیت ۳۸) کہ خدا تعالےٰ کو تمہاری قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے ہاں تمہارا تقویٰ ہی اس کی بارگاہ میں قبولیت پاتا ہے۔

بائبل کے مندرجہ بالا بیان میں چند ایک غلطیاں ہیں جو غالباً سوانح نگاروں کے افکار دماغی کا کرشمہ نظر آتی ہیں۔

۱۔ پہلی غلطی۔ قربانی کے لئے مخصوص کئے جانے والے بیٹے کا نام جو تورات نے اسحاق بتایا یہ غلط ہے۔ اسحاق نہیں بلکہ اسمٰعیل تھا کیونکہ وہی پلوٹھا اور اکلوتا تھا اور قربانی کا حکم اکلوتے بیٹے کیلئے ہی ہوا تھا۔

۲۔ دوسری غلطی۔ یہ کہ تورات کے بیان کی رو سے خدا تعالیٰ نے انسانی قربانی کا صریح حکم دیا تھا جس کا مطلب انسان کی جان کو اس طرح تلف کر دینا تھا جس طرح بت پرست قوموں میں پہلے سے رواج چلا آرہا تھا یہ غلط ہے۔ ایسا حکم خدا تعالیٰ نے نہ کبھی پہلے دیا اور نہ اب۔ ایسا حکم خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے۔ قرآن حکیم نے اصل حقیقت کا انکشاف فرمایا کہ دراصل حضرت ابراہیمؑ کو رؤیا ہوئی اور رؤیا میں آپؑ اپنے بیٹے

کو ذبح کرتے دیکھا جس کا ذکر آپ نے بیٹے سے یوں کیا ۔ یٰبُنَیَّ اِنِّی اَرٰی
فِی الْمَنَامِ اَنِّی اَذْبَحُکَ (الصافات آیت ۱۰۲) رؤیا میں تو درحقیقت
تمثیلی اور تصویری زبان میں گفتگو ہوتی ہے جس کی تعبیری حقیقت عالم
ظاہر میں کچھ اور ہوتی ہے ۔ اگرچہ بشری لوازمات ذہنی کی بناء پر حضرت
ابراہیم علیہ السلام کی نگاہ اس خواب کی اصل تعبیر کی طرف نہ گئی اور جب
آپ خواب کو ظاہری رنگ میں پورا کرنے پر تیار ہو گئے تب اللہ تعالیٰ نے
آپ کو حکم الٰہی کی اصل حقیقت سے آگاہ فرمایا اور اس رؤیا کی حقیقی تعبیر
کا صحیح علم دیا کہ اس قربانی سے مراد حیات انسانی کا انقطاع نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ
کی راہ میں بیٹے کا زندگی وقف کر دینا اور اس کا خدمت دین اور اشاعت
اسلام میں تمام عمر بسر کرنا ہی قربانی ہے پس اللہ تعالیٰ کا اصل حکم وقف
زندگی کا تھا نہ کہ حسب بیان تورات انسانی جان کا تلف کرنا ۔

۳ ۔ تیسری غلطی ۔ یہ کہ حسب بیان تورات حضرت ابراہیم علیہ السلام
نے قربانی کے وقت جلانے کے لئے لکڑیاں چنیں بیٹے کو چت پر
جلانے کے لئے نہیں لٹایا تھا بلکہ زمین پر لٹایا تھا ۔ فَلَمَّا اَسْلَمَا
وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ (الصافات ۱۰۳)

پس سوختنی قربانی دراصل بُت پرستوں کی مشرکانہ رسومات کا بقایا
ہے ۔ بائیبل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے وقت میں بعض
بنی اسرائیل بھی ایسی مشرکانہ قربانیاں (جو بتوں کے لئے کی جاتی تھیں)
کرتے تھے دیکھو (استثنار ۳۲/۱۶-۱۷) اور اعمال ۷/۴۳ میں ہے کہ

بنی اسرائیل دوران سفرِ ہجرت مولک کے خیمہ اور خان دیوتا کے تابوت لئے پھرتے تھے اور حضرت موسیٰؑ کے بعد یوشع بن نون نے جب فلسطینی علاقے کو فتح کر کے اسے بنی اسرائیل کے مختلف قبائل میں تقسیم کر دیا اور اس طرح ان کی اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئیں تو ان اسرائیلی علاقوں میں جگہ جگہ مشرک کنعانی قوموں کی شہری ریاستیں بھی بدستور قائم رہیں۔ ان شہروں کی مشرکانہ تہذیب کا بنی اسرائیل پر گہرا اثر پڑتا رہا۔ اسی بنا پر ان میں سوختنی قربانی کا عقیدہ بھی رائج ہو گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس سوختنی قربانی کا انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"سوختنی اور خطا کی قربانی تو نے طلب نہیں کی"۔ (زبور ۵۱ / ۱۶-۱۷)

اور یرمیاہ ۷ / ۲۲-۲۳ میں ہے۔

"جس وقت میں تمہارے باپ دادا کو ملک مصر سے نکال لایا ان کو سوختنی قربانی اور ذبیحہ کی بابت کچھ نہیں کہا اور حکم نہیں دیا بلکہ میں نے ان کو یہ حکم دیا اور فرمایا کہ میری آواز کے شنوا ہو اور میں تمہارا خدا ہوں گا اور تم میرے لوگ ہو گے"۔

حضرت مسیح فرماتے ہیں:۔

"تو نے قربانی اور نذر کو پسند نہ کیا۔ پوری سوختنی قربانی اور گناہ کی قربانیوں سے تو خوش نہ ہوا"۔ (عبرانیوں ۱۰ / ۵-۶)

اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان سے یہ بعید ہے کہ خود ہی جانوروں کے ذبح کرنے کا حکم دے اور پھر بجائے اس کے کہ انہیں کسی مفید مصرف

میں لگایا جاوے انہیں آگ میں جلا کر ضائع کرنے کا حکم دے۔ یہ تو کوئی معقول حکم نہیں کہلا سکتا اگر کہیں جلانے کا حکم بنی اسرائیل کو ملا بھی ہوگا، تو کسی معقول مصلحت کے ماتحت خاص حالات کے لئے ہوگا۔

غور کرنے سے اس کی حقیقت یوں معلوم ہوتی ہے کہ قربانی کا گوشت کچھ وقت تک تو انہیں کھانے کی اجازت ہوگی۔ مگر اسے ذخیرہ بنا کر رکھنا ممنوع ہوگا تاکہ غربا بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک وقت قربانی کا گوشت سکھا کر جمع رکھنے کو ممنوع فرمایا تھا۔ ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی ایسا ہی حکم نافذ ہوا ہو۔ چنانچہ احبار ۹/۵، ۶ سے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے لکھا ہے کہ:-

"جب تم خداوند کے حضور سلامتی کے ذبیحے گذرانو تو ان کو اس طرح گذراننا کہ تم مقبول ہو اور جس دن اسے گذرانو اسی دن اور دوسرے دن وہ کھایا جائے اور اگر تیسرے دن تک کچھ بچ رہ جائے تو وہ آگ میں جلا دیا جائے۔"

اس طرح منت کی قربانی اور رضا کے ہدیہ کے متعلق بھی احبار ۷/۱۶، ۱۷، ۱ میں یہی حکم ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے گوشت کو آگ میں جلانا قربانی کا حصہ نہیں تھا۔ بلکہ وہ گوشت جو حکم الٰہی کی صریح نافرمانی کے باعث ممنوع تھا یا وہ جو متواتر تین دن تک بند رکھا رہنے کی وجہ سے بدبودار اور زہریلا ہوگیا ہوتا۔ انسانی صحت کی حفاظت کی خاطر

ایسے گوشت کے جلا دینے کا حکم صادر ہوا ہوگا۔

سوختنی قربانی کی اصلیت تو ابتداء میں اتنی ہوگی مگر بعد میں عجوبہ پسند عوام میں ہوتے ہوتے یہ روایت مشہور ہو گئی کہ سوختنی قربانی کو جلانے کے لئے آسمان سے آگ اترتی اور اسے جلا کر بھسم کر دیتی اور یہی اس قربانی کی قبولیت کی علامت قرار دی جاتی اور جس قربانی پر آگ نہ اترتی اس کے متعلق سمجھا جاتا کہ یہ قربانی خدا کے ہاں مقبول نہیں۔ قابیل کی قربانی کے مردود ہونے کی علامت بھی یہی سمجھی گئی کہ اس کی قربانی کو آگ نے نہ چھوا اس قسم کی اسرائیلی ہفوات کو بے کر ہمارے مفسرین نے بڑے شوق سے تفیروں میں درج کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مقبول قربانی کے لئے آسمانی آگ کے نازل ہونے کی روایت اگرچہ ظاہری رنگ میں بیہودہ اور مضحکہ خیز ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت بالکل بے اصل اور باطل بھی نہیں کہلا سکتی۔ اگرچہ حقیقت ناشناسوں نے اسے صحیح طور پر سمجھنے میں ٹھوکر کھائی۔ بات دراصل یہ ہے کہ تمام مذہبی احکام حق و حکمت پر مبنی ہوتے ہیں ہر حکم کی ایک علت غائی ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر حکم ربانی کی روح کے قیام کے لئے احکام الٰہیہ کی ظاہری صورتیں اور رسمی ہیئتیں ہوتی ہیں۔ جو اس روح کے تحفظ کے لئے جسم کا کام دیتی ہیں۔ پس یہ جو جانوروں کی قربانیاں کی جاتی ہیں یہ تو صرف ظاہری رسمیں ہیں جو قشر کا درجہ رکھتی ہیں ان کا مغز اور سنس کچھ اور ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اسی مغز اور روح کی طرف توجہ دلانے کے لئے

فرمایا لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُہَا وَلَا دِمَاءُہَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ کہ تمہاری ان قربانیوں کے گوشت اور خون کی خدائی بارگاہ میں کوئی قیمت نہیں یہ تو تمہاری روح کی قربانی کی صرف تصویریں ہیں، گویا اس تصویری زبان میں تمہیں قربانی کا سبق دیا جاتا ہے اور روح کی قربانی تقویٰ ہے جو جذبات نفس کو کچلنے اور نفسانی خواہشات کو اللہ کی راہ میں ذبح کر دینے کا نام ہے۔

پس جب بنی اسرائیل میں قساوت قلبی آگئی اور تقویٰ و خشیت الٰہی کی مذہبی روح ان میں مفقود ہونے لگی اور ظاہر پرستی پر زور دیتے ہوئے صرف قشر پر ہی اکتفاء ہونے لگا تب اسرائیلی مصلحین میں سے بعض بزرگوں نے انہیں مذہبی اعمال اور روح کی طرف توجہ دلانے کے لئے مجاز اور استعارہ کے رنگ میں کچھ تمثیلی کلام کیا ہوگا جس کو ظاہر پرستوں نے نہ سمجھا اور اس کی اصل حقیقت دنیا کی نظروں سے اوجھل رہ کر روایات کے تودہ انبار میں دبی رہی۔ یہاں تک کہ موجودہ دور میں آسمان روحانیت کے تابان سورج حقائق شناس اسرار الٰہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس حقیقت محجوبہ کی نقاب کشائی فرماتے ہوئے اس نکتہ معرفت کا تذکرہ یوں فرمایا:۔

"خدا تعالیٰ کی محبت اور انسان کی محبت ذاتی میں ایک خارق عادت جوش کشش ہے اور ان دونوں محبتوں کے ملنے سے ایک فنا کی صورت پیدا ہو کر بقا باللہ کا نور پیدا ہو جاتا ہے ..... اس کی مثال وہ حالت ہے کہ جب انسان پر آسمان سے

صاعقہ پڑتی ہے تو اس آگ کی کشش سے انسان کے بدن کی اندرونی آگ یک دفعہ باہر آجاتی ہے تو اس کا نتیجہ جسمانی فنا ہوتا ہے۔ پس دراصل یہ روحانی موت بھی اسی طرح دو قسم کی آگ کو چاہتی ہے۔ ایک آسمانی آگ اور ایک اندرونی آگ اور دونوں کے ملنے سے وہ فنا پیدا ہوجاتی ہے جس کے بغیر سلوک تمام نہیں ہوسکتا۔ یہی فنا وہ چیز ہے جس پر سالکوں کا سلوک ختم ہوجاتا ہے اور جو انسانی مجاہدات کی حد ہے اس فنا کے بعد فضل اور موہبت کے طور پر مرتبہ بقار کا انسان کو حاصل ہوتا ہے۔" (چشمۂ مسیحی طبع اول ۱۴۱-۱۴۲)

نیز حضور اسلامی اصول کی فلاسفی میں فرماتے ہیں:

"ہماری تمام روحانی قوتیں خدا سے یوں پیوند پکڑتی ہیں جیسا کہ ایک رشتہ دوسرے رشتہ سے پیوند کیا جاتا ہے۔ بجلی کی آگ کی طرح ایک آگ ہمارے اندر سے نکلتی ہے اور ایک آگ اوپر سے ہم پر اترتی ہے۔ ان دونوں شعلوں کے ملنے سے ہماری تمام ہوا و ہوس اور غیر اللہ کی محبت بھسم ہوجاتی ہے اور ہم اس اپنی زندگی سے مر جاتے ہیں۔ اسی حالت کا نام قرآن شریف کی رو سے اسلام ہے۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی ص ۱۳۱ نیا ایڈیشن)

پس یہ تھی آسمانی آگ کے اترنے کی حقیقت جس کو نادانوں نے مذہبی کھلونا بنا دیا۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

ع "حقیقت روایات میں کھو گئی"

غرق فرعون کے بعد مصری حکومت میں انقلاب

فرعون کے غرق ہونے کے بعد ملک مصر کی حکومت کے وارث کون ہوئے اس بارہ میں ابھی تک تاریخ کے صفحات بہت حد تک دھندلے ہیں۔ قرآن مجید نے اس موضوع پر سورۂ دخان میں یوں روشنی ڈالی ہے۔ کذالک واورثناھا قوماً آخرین۔ قوماً آخرین کی تفسیر میں حضرت قتادہ کی یہ روایت ہے کہ یہ بنی اسرائیل تھے۔ (تفسیر ابن جریر)

عام طور پر قتادہ کی اس روایت کو اس بنا پر نظر انداز کیا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ملک مصر پر قبضہ کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ خاکسار کو اس رائے سے اختلاف ہے یہ تو ٹھیک ہے کہ وہ اسرائیلی قبائل جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کر کے چلے گئے تھے ان کا تو مملکت مصر پر کوئی تصرف نہیں ہوا۔ مگر کسی دوغلی نسل والے اسرائیلی خاندان کے اقتدار کا کلیتاً انکار کرنا موزوں نہیں۔ یہ اقدام آئندہ تاریخی علمی انکشافات کے حصول میں مایوسی پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ محققین کے نزدیک مصر قدیم کی تاریخی تفاصیل تاحال تشنہ تکمیل ہیں۔ یہاں تک کہ ملک مصر پر حکومت کرنے والے سلاطین کے ناموں کی تعیین اور ان کے تاریخی حالات پر ابھی تک تاریکی کا پردہ چھایا ہوا ہے

اور جو حالات دریافت ہوتے ہیں وہ بہت ہی محدود ہیں۔ (دیکھو تاریخ بائیبل مصنفہ پادری ولیم جی بلیکی صاحب ڈی ڈی ص۱۵۲)

میرے نزدیک قرآن مجید کا بیان بطور اخبار غیبیہ ہے۔ اس سے ایک ایسے نئے امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جس سے دنیا بے خبر اور ناواقف تھی۔ وحی الٰہی انسانی علوم کے ارتقاء کے لئے سیڑھی کا کام دیتی ہے۔ جہاں انسان اپنے دماغی افکار و اغلوطات کی الجھنوں میں پھنس کر پیش قدمی کرنے سے رک جاتا ہے وہاں آسمانی روشنی اس کی راہنمائی کر کے ایسے نئے علمی انکشافات کے لئے تیار کرتی ہے اور تحقیقات کے میدانوں میں مزید قدم بڑھانے کے لئے گویا مہمیز کا کام دیتی ہے۔

فرعون کے متعلق قرآن حکیم نے کئی ایک امور غیبیہ کی اطلاع دی جس سے دنیا پہلے ناواقف تھی۔ مگر محققین کی مساعی سے جو نئی علمی تحقیقاتیں ہوئیں۔ آخر انہوں نے قرآنی بیانات کی حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ مثلاً فرعون کی لاش کے محفوظ ہونے اور فرعون کے گھرانے میں توحید کی مشعل جگمگانے اور آل فرعون میں سے ایک مرد مومن کے ایمانی مظاہرہ دکھانے کی خبر خصائص قرآن مجید میں سے ہے اس مرد مومن اور بقیہ آل فرعون کے انجام کے متعلق بھی جو اظہار غیب بایں الفاظ فرمایا گیا تھا فوقاہ اللہ سیئات ما مکروا وحاق بآل فرعون سوء العذاب النار یعرضون علیھا غدوا و عشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب۔
(سورۃ مومن آیت ۴۶،۴۵)

تاریخ نے اس کی تصدیق کر دی۔ غرق فرعون کے بعد ملک میں انارکی پیدا ہو گئی اور ملک بھر میں بغاوتوں کی آگ بھڑک اٹھی اور جنگ کے جھگڑے صبح و شام ہونے لگے۔ اس طرح آل فرعون کی وہ پارٹی جو شرک و کفر پہ مُصر تھی اس کی سیاسی اور اقتصادی طاقتیں فنا ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ وہ وقت بھی آ گیا کہ اس قوم کو سخت عذاب میں ڈال دیا گیا۔ صرف وہی پارٹی بچی جو توحید کی علمبردار تھی۔ مومن آل فرعون جس نے فرعون کی زندگی میں پارلیمنٹ کو خطاب کرتے ہوئے یہ فقرہ کہا تھا۔ اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہی فقرہ کہا تھا۔ جس طرح آپ بغیر متوقع طور پر خلیفہ منتخب ہوئے۔ عجب نہیں کہ فرعونی پارلیمنٹ میں بھی اسی مومن آل فرعون کی پارٹی میں سے کوئی بادشاہ منتخب ہوا ہو۔ کیونکہ قیاس یہی ہے کہ غرق فرعون پر ان کے دل عذاب الٰہی دیکھنے پر کچھ نرم ہو چکے ہوں گے اور مومن آل فرعون کی وہ پیشگوئی ان کی آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہو گی جس میں انہیں ان الفاظ میں انذار کرایا تھا۔ انی اخاف علیکم مثل یوم الاحزاب مثل دأب قوم نوح و عاد و ثمود..... ویقوم انی اخاف علیکم یوم التناد یوم تولون مدبرین مالکم من اللہ من عاصم۔ (مومن آیت ۳۱ تا ۳۳)

یہ صرف ہمارا قیاس ہی نہیں بلکہ واقعات سے بھی اس کی شہادت ملتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تحریک سے مصر میں مذہبی بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔ فرعون جو آمن دیوتا کا اوتار سمجھا جاتا تھا اس کے غرق ہونے کے بعد

آمن پرستی کو بہت بڑا دھکا لگا۔ فرعون کا ایک بیٹا طوطمس نامی تخت نشین ہوا۔ اس کی حکومت صرف نو برس رہی۔ اس کے مرنے پر اس کا بیٹا جو آمن حطب چہارم کے لقب سے موسوم تھا۔ تخت نشین ہوا۔ رعمسیس سورج دیوتا کو اتوم اور آتون کے نام سے پکارتے تھے۔ اور فرعون آمن دیوتا کا اوتار سمجھا جاتا تھا جب آمن حطب چہارم تخت نشین ہوا تو خیالات واعتقادات میں اس قدر فرق آگیا تھا کہ آمن حطب چہارم کو بجائے اس کے کہ اسے آتون کا اوتار قرار دیا جاتا۔ اس کو آتون کا سردار کاہن مقرر کیا گیا اس کی طبیعت میں خدا کے تجسس کا جذبہ تھا۔ اسے حق کی تلاش کا شوق بچپن ہی سے پڑ گیا تھا۔ تخت نشینی کے بعد اس نے تھیبس (قدیم دارالحکومت) کو چھوڑ کر نیا دارالحکومت تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا اور اس نے اپنا نام بھی بدل دیا اور آمن حطب (آمن راضی ہے) کی بجائے آخن آتن (آتن کا بندہ) نام اختیار کیا آخن آتن نے جس مذہب کی حمایت میں سرگرمی دکھائی اس کا اصول صرف ایک معبود کی پرستش تھی اور اس معبود کو آتن کہتے تھے۔ مصر قدیم کی تاریخ کا محقق مؤرخ آرتھر ویگال لکھتا ہے کہ :-

"اس نوجوان بادشاہ نے آتن کی تشریح اس طرح کی کہ وہ چھوا نہیں جا سکتا۔ اس کی کوئی شکل نہیں وہ انسانوں سے محبت کرنے والا اور ہمیشہ حاضر رہنے والا ماں باپ ہے وہ سورج میں جلوہ گر ہے مگر آتن سورج نہیں بلکہ سورج کے پیچھے ایک قوت ہے جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ آتن کی کوئی شکل نہیں۔ انسانی جو

یا غیر انسانی۔ اس کی کوئی مورت یا تصویر نہیں بنائی جا سکتی۔
وہ خالص روحانی جوہر ہے۔ (مختصر تاریخ قدیم از آرتھر ویگال صفحہ ۱۵۲)
اخناتون نے آتون کے لئے تل العمرانہ میں جو ایک شاندار معبد تعمیر کیا تھا۔
آرتھر ویگال اس کے متعلق لکھتا ہے۔
" اس معبد میں پوجنے کے لئے کوئی مورت یا تصویر نہیں تھی۔
وہ شرک کا اس قدر مخالف تھا کہ آمن دیوتا کے نام کو ملک
بھر کے تمام کتبوں سے نکلوا ڈالا۔ اس نے اپنی ماں تی آئی کی
قبر کھدوائی اور اس کے ایک کتبہ میں آمن حطب سوم (غرقِ فرعون)
کا جو نام تھا اس سے لفظ آمن مٹا ڈالا۔ اپنی آخری عمر میں
اس نے حکم دیا کہ تمام دیوتاؤں کے نام کتبوں سے مٹا دئیے جائیں
مگر اس حکم کی پوری طرح تعمیل نہ ہوئی " (مختصر تاریخ قدیم صفحہ ۱۵۶)
اخناتون کے بعد پھر کون تخت نشین ہوا۔ کیا حالات پیش آئے۔
ان کی تفصیلات سے تاریخ خاموش ہے۔ اخناتون کے شہر تل العمرانہ کے
کھنڈروں سے جو ایک سلسلہ برآمد ہوا ہے۔ ان کے متعلق آرتھر ویگال لکھتا ہے۔
" ان خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اخناتون کی پالیسی امن و امان
کی تھی اتفاقاً جنگ کرنے سے اس کا ضمیر رکتا تھا اور یہی وجہ تھی
کہ اس نے جنگ نہ کی اور رفتہ رفتہ اس کے حمایتی لوگ یا تو مارے
گئے یا ان مقبوضات سے نکال دئے گئے۔ اور مصر کی شہنشاہی
کا خاتمہ ہو گیا " (مختصر تاریخ مصر قدیم صفحہ ۱۶۵)

خاکسار کا خیال ہے کہ چونکہ اس دور کے حالات کے متعلق صفحات تاریخ کے نقوش مٹے ہوتے ہیں اس لئے مصنف کو قصہ مختصر کر کے یہ کہنا پڑا کہ مصر کی شہنشاہی کا خاتمہ ہو گیا۔ میرے نزدیک تاریخ کے اسی تاریک زاویے کو روشن کرنے کے لئے قرآن مجید میں ارشاد "واورثناها قوماً آخرین" فرما کر اس طرف رہنمائی کی گئی ہے کہ مصری اقتدار کی باگ ڈور جو شمع توحید کے ان پروانوں کے ہاتھ میں دی گئی تھی جو خالص قبطی خاندان کے چشم و چراغ تھے اس چراغ کے گل ہو جانے پر شمع توحید ابھی بجھی نہیں تھی۔ بلکہ عنان اقتدار اب ایک دوسرے خاندان علمبردار توحید کے ہاتھ میں دی گئی جس کا تعلق قرابت اور رشتہ دامادی فرعون کے گھرانے سے تھا۔ اسرائیلی خاندان سے فرعون کے گھرانے کے ملاپ کی بابت تاریخ میں شہادت موجود ہے۔ ڈاکٹر ڈبلیو جی بیکی صاحب بحوالہ (۱۔ تواریخ ۴: ۱۸) لکھتے ہیں۔

"ان عبرانیوں میں سے ایک شخص نے فرعون کی بیٹی بتیاہ سے
شادی کی جس سے ایک بڑا خاندان پیدا ہوا۔"

(تواریخ بائبل صفحہ ۱۱)

اس خاندان کے تاریخی حالات ابھی تک گوشۂ گمنامی میں ہیں۔ لہذا سلف صالحین کی روایات کو ٹھکرا دینے کے لئے تیار ہو جانا مناسب نہیں۔ بلکہ ارباب علم۔ شیدایان تحقیق کو تاریخ کے ان گم گشتہ اوراق کی تلاش کرنے کی سعی بلیغ کرنی چاہیئے۔ امید ہے کہ اس بحر ظلمات کی عمیق تہوں سے اپنا گوہر مراد پانے میں کامیابی حاصل کر سکیں گے۔

انشاء اللہ تعالیٰ۔ وکان سعیھم مشکورا۔ آخر میں یہ بھی عرض کردوں کہ خاکسار کو قرآن حکیم کی سورۃ جمعہ کی ایک آیت کے اشارہ سے اس مضمون کی طرف توجہ ہوئی جس کے اظہار کے لئے قلم اٹھانا پڑا۔ واللہ یھدینی السبیل۔

اسلام کا نظامِ عسکری

سورۂ انفال کی آیت ۶۶ میں جو ارشاد ہے "ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مأتین" اس میں اشارہ ہے کہ مسلمانوں کا نظامِ حرب اتنا مکمل ہو کہ وہ اپنے سے دس گنا دشمنوں کا خوب مقابلہ کر سکیں۔ مگر چونکہ اس وقت مسلمانوں کا نظام مکمل نہیں تھا اس لئے آیت ۶۷ میں ان سے اتنا مطالبہ فرمایا کہ بالفعل تم اپنے سے دگنے دشمن کا مقابلہ کرو۔

واضح ہو کہ اسلام نے یونہی حکم نہیں دیا کہ ایک مسلمان دس کے مقابل لڑ سکتا ہے بلکہ یہ حکم ان کو اس فوجی نظام کی طرف توجہ دلاتا ہے جس سے وہ دس گنا دشمنوں پر باآسانی فتح پا سکتے ہوں۔ اسلام نے جس طرح دوسرے معاملات میں اعلیٰ نظام پیش فرمایا ہے اسی طرح فوجی نظام کے لئے بھی اعلیٰ اصول پیش فرماتے ہیں جن کی وجہ سے مسلمان دوسری اقوام پر غلبہ و تفوق قائم رکھ سکتے ہیں۔

فوجی نظام کے اصول

۱۔ صف بندی۔ اسلام سے قبل اگرچہ متمدن ملکوں میں فوجی نظام صف بندی

اور دستہ بندی کی صورت میں موجود تھا مگر عرب جاہلیت کے زمانہ میں
اس نظام سے ناواقف تھے۔ ان کی لڑائی کا طریقہ وہ تھا جسے کر و فر سے
تعبیر کیا کرتے۔ اور اس کی صورت یہ تھی کہ جب دشمن قوم سے لڑنے کا ارادہ
کرتے تو یکبار دوڑ کر اس پر حملہ کر دیتے اور جب اپنا ضعف معلوم کرتے تو
بھاگ جاتے۔ اور پھر کسی قدر آرام لے کر دوبارہ حملہ کرتے اسی طرح
بلا انتظام اور بے قاعدہ لڑتے رہتے۔

جب اسلام آیا تو مومنوں کو جنگ میں صف بندی کا حکم دیا گیا چنانچہ
اذن جہاد سے پیشتر ہی ان کو اس فریضہ کی ادائیگی کی طرف بطور پیشگوئی
یوں توجہ دلائی گئی کہ ایک وقت آنے والا ہے جب کہ مسلمانوں کو دشمن
کے مقابل صف آراء ہونا پڑے گا۔ تب انہیں اس نظام (صف بندی) کی
پابندی کرنا ہوگی کہ یہی طریق پسندیدۂ خدا ہے۔ ان اللہ یحب
الذین یقاتلون فی سبیلہ صفاً کانھم بنیان مرصوص[1]
چنانچہ جب لڑائی کی اجازت کے متعلق حکم نازل ہوا تو مسلمانوں کی لڑائی اس
صف بندی کے قاعدہ پر شروع ہو گئی جسے زحف کہتے ہیں۔ جس طرح نماز
کے لئے صف بندی کی جاتی ہے۔ اسی طریق پر اس قومی فریضہ کی ادائیگی
ہونے لگی۔ اس نظام کو عرب کی صحرانشین قومیں نہیں جانتی تھیں۔

صف آرائی کے نظام کی نگرانی ابتداء میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
جب میدان جنگ میں ہوتے خود فرماتے مگر بعد میں اس کی نگرانی کے لئے ایک

---

[1] سورۃ الصف

مخصوص افسر ہوتا تھا۔ جو دا زع کہلاتا تھا۔ چنانچہ فتح مکہ کے وقت صف آرائی ایک مخصوص افسر کے سپرد کی گئی تھی[1]۔ جنگ بدر میں صف آرائی کے بعد جو جامع ہدایات دی گئی تھیں وہ یہ تھیں کہ "جب تک میں حکم نہ دوں کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔ دشمن دور ہو تو تیر چلا کر بیکار ضائع نہ کرے بلکہ زد پر آئے تو مارے۔ اس سے قریب آئے تو پتھر پھینک کر مارے اس سے بھی قریب آئے تو نیزہ اور پھر تلوار چلائے۔"

۱۷۔ دستہ بندی۔ تیاری جنگ کے وقت لشکر کو چند دستوں پر تقسیم کیا جاتا اور ہر دستہ کا نام مخصوص ہوتا۔ چنانچہ لشکر کی بطریق ذیل پانچ حصوں میں تقسیم ہوتی :۔

	المقدمۃ	
المیسرہ	قلب الجیش	المیمنۃ
	الساقۃ	
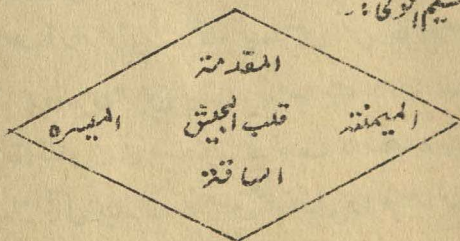
انہیں ارکانِ خمسہ کے لحاظ سے عرب لشکر کو خمیس کہتے۔ یہ بھی ایک نہایت قیمتی موتی تھا۔ جسے قدیم عربی حکومتیں اپنے دورِ تمدن میں استعمال کرتی تھیں۔ مگر عرب جاہلیت اور اپنے دورِ بدویت میں اپنے آپ کو اس کے اہل نہ پا کر اس کی افادیت سے محروم رہے۔ تب اسلام نے اس درخشاں کو جلا دے کر اتنا قیمتی اور نتائج بے بہا بنایا جس سے مسلمانوں نے بےشمار منافع حاصل کئے۔ غزوہ خیبر میں ... ہم مسلمانوں نے دس ہزار یہودیوں پہ فتح پائی۔ سریہ موتہ

---

[1] طبری۔

میں صرف تین ہزار مسلمانوں نے شرجیل غسانی کے ایک لاکھ لشکر جرار کو شکست فاش دی۔ ۱۳ھ کے غزوہ یرموک میں جب خالد بن ولید کو سخت تکلیف پیش آئی تو آخر انہوں نے لشکر کو ایسے طریق سے آراستہ کیا کہ اس زمانہ سے پیشتر کبھی لشکر عرب کو ایسی آراستگی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے فوج کے ۳۶ سے ۴۰ دستے بنائے اور ایک دستہ قلب بنا کر اس میں ابوعبیدہ کو جو سپہ سالار لشکر تھے ٹھہرایا اور ایک دستہ میمنہ کا قرار دے کر اس پر عمرو بن العاص اور شرجیل کو اور میسرہ پر یزید بن ابوسفیان کو مقرر کیا۔ ۱۴ھ کے واقعہ قادسیہ میں بھی سعد بن ابی وقاص نے یہی دستور جاری کیا۔ یرموک میں دشمن کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار تھی۔ اور مسلمان تیس ہزار سے زیادہ نہ تھے۔ جنگ بویب میں سعد بن ابی وقاص کے تحت بیس ہزار فوج تھی اور دشمن کی فوج کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف دو دن کی لڑائی میں دشمن کے تیس ہزار آدمی مارے گئے۔ مصر کی فتح صرف چودہ ہزار مسلمانوں نے کی۔ اس مبارک نظام کی برکت سے مسلمانوں نے جو فتوحات حاصل کیں۔ دنیا اُن سے انگشت بدنداں رہ گئی۔

۵۔ شہسواری اور تیر اندازی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص تعلیم دی اور پُرجوش فضائل وارشادات کے ذریعہ صحابہ کی ایسے رنگ میں تربیت فرمائی جو جنگی اصول کی رُو سے اُس زمانہ میں عدیم المثال اور بے نظیر تھی۔ محترم جنرل میجر محمد اکبر خاں صاحب اپنی لطیف تصنیف "حدیث دفاع" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی دفاعی تدبیر

غزوۂ احد کے بارہ میں لکھتے ہیں :۔

"مسلم تیر اندازوں کا دشمن پر حملہ جسے موجودہ زمانہ کی عربی زبان میں غائیوبلان کہنا چاہیئے ۔ نہایت بروقت اور صحیح تھا تیر اندازوں کا مورچہ ایسی جگہ تھا جہاں سے وہ دشمن کے خلاف سارے میدان جنگ میں تیر برسا سکتے تھے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی جگہ مورچہ لگایا جہاں دشمن کے سوار رسالہ کی فوقیت ختم ہو گئی ۔ آپ نے دیکھ لیا تھا کہ ہوا پہاڑی درّہ سے میدان کی طرف آئے گی اس لئے جہاں مسلم تیر اندازوں کے تیر دُور تک جائیں گے وہاں دشمن کے تیر اندازوں کو مخالف ہوا میں تیر چلانے پڑیں گے ۔ اس کے علاوہ تیر اندازوں کو بلندی پر تعینات کرنے سے اُن کے تیروں کی پرواز اور بھی لمبی ہو گئی ۔۔۔۔۔۔ فی الحقیقت یہی وہ اصول ہے جس پر آج کل ٹرینچ مارٹر یعنی خندقوں پر گولے برسانے والی توپ بنائی گئی ہے ۔۔۔۔۔۔ تیر اندازوں کی حفاظت کے لئے آپ نے ایک دستہ جبل اُحد کی دوسری جانب درّہ کی پگڈنڈی پر تعینات کیا ۔ گویا زمانۂ جدید کے حربی اصولوں کے مطابق ایسے مضبوط مورچے قائم کئے جن کے بل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج حملے کے وقت بحفاظت نقل و حرکت کر سکے "[1]

---

[1] حدیث دفاع صفحہ ۱۹۲-۱۸۵ ۔

۴۔ کشتی کے فن کو بھی اہمیت دی گئی۔ یہاں تک کہ احد کے موقعہ پر چند نوعمر رضا کاروں کو کشتی لڑنے کے فن میں ماہر ہونے کے باعث باوجود کم عمری کے فوج میں بھرتی ہونے کی اجازت دی گئی تھی۔

۵۔ دوڑوں کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ آدمیوں۔ گھوڑوں۔ اونٹوں اور گدھوں کی دوڑوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انعام دیا کرتے تربیت یافتہ اور غیر تربیت یافتہ گھوڑوں کے لئے الگ الگ مسافتیں مقرر تھیں۔ اب تک مدینہ منورہ میں وہ مقام محفوظ ہیں جہاں سے شرط کے گھوڑے وغیرہ روزانہ روانہ ہوتے تھے۔ وہ مقام بھی جہاں کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیتنے والے کا تعین فرماتے۔ آخرالذکر مقام پر اب تک ایک مسجد بمسجد السبق کے نام سے موسوم ہے۔ دوڑ میں انعام اول، دوم، سوم چہارم متعدد افراد کو ملتے[1]۔

۶۔ فوجی مشق کرائی جاتی یہاں تک کہ بعض اوقات ایسی مشق مسجد میں بھی ہوتی[2]۔

۷۔ اہل فارس کے جنگی انتظام سے مسلمان واقف ہوتے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے خندق کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا جسے حضورؐ نے پسند فرما کر اس پر عملدرآمد کرایا۔ ایسے امور کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

''الحکمۃ ضالۃ المؤمن حیث وجد فھو احق بھا''۔

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو سیرۃ ابن ہشام۔ [2] اس کے لئے دیکھو صحیح بخاری باب الحراب فی المسجد۔

۸۔ اہل روم کے جدید آلاتِ جنگ کو بھی حضور علیہ السلام نے استعمال فرمایا۔ خیبر کی لڑائی میں منجنیق سے دشمن کے محصور قلعے میں پتھر برسائے گئے تھے۔ طائف کے محاصرے میں اس کے علاوہ دبابے بھی استعمال کیے گئے تھے جس کی ترقی یافتہ صورت موجودہ زمانہ میں ٹینک نظر آتے ہیں۔ دبابہ ایک پہیے والی گاڑی ہوتی جس کے اوپر چمڑا منڈھا ہوتا تاکہ اندر کے آدمیوں کو تیروں سے صدمہ نہ پہنچے جو فصیلوں کے گرانے کا کام دیتا۔ طائف پر منجنیق کے علاوہ عرادہ بھی استعمال کیا گیا جو منجنیق کی طرح پتھر وغیرہ دور پھینکتا تھا۔ الکتانی میں ہے:

"اول من رمی بالمنجنیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل الطائف دخل نفر من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحت دبابۃ ثم زحفوا الی جدار الطائف لیحرقوہ"[۱]

"اول دبابۃ صنعت فی الاسلام دبابۃ صنعت علی الطائف حین حاصرھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"[۲]

طبقات ابن سعد وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جرش نامی شہر اس زمانے میں دبابات اور منجنیق اور عرادات کی صنعت میں مشہور تھا۔ عروہ بن مسعود ثقفی اور محمود بن غیلان ہر دو صحابیوں نے جرش جاکر ان آلات

---

[۱]، [۲] ۔ الکتانی جلد ۱ صفحہ ۳۷۵

کے بنانے کا طریقہ سیکھا تھا۔[1]

۹۔ لشکر کے قواعد وضع کئے گئے اور شعار جنگ متعین ہوا۔ جن کے اصول قرآن مجید میں اور تفصیل احادیث میں ہے۔

۱۰۔ لشکر کی ترتیب۔ اسلامی نظام کے ماتحت لشکر کو عرفاء پر تقسیم کر کے ہر ایک عریف (کارگذار قوم) کے ماتحت دس آدمی سپرد کئے جاتے۔ اور ان کی افسری ایسے لوگوں کے سپرد ہوتی جن کو سبقت اسلام کا رتبہ حاصل ہوتا۔ یہ ابتدائی دور میں تھا۔ بعد ازاں کثرت فتوحات پر سو عریف مقرر کئے گئے۔ بعض کے ۸، بعض کے ۳۰ اور بعض کے ۴۰ آدمی ماتحت ہوتے۔ اور عرفاء پر سات امیر مقرر کئے جاتے جن کو امرار الاسباع کہتے۔

۱۱۔ لشکر کا جائزہ۔ لشکر کشی سے پہلے فوج کا جائزہ لیا جاتا۔ ہر فوج کا مہم پر روانگی سے پہلے شہر کے باہر معائنہ ہوتا۔ اور کم عمر (ضاکار) یا سواری یا اسلحہ نہ رکھنے والے یا اور طرح پر نامناسب افراد (مثلاً مشرکین۔ یہودی وغیرہ) واپس کر دیئے جاتے۔[2] غزوہ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود جائزہ لیا۔ ان کی صف بندی کا معائنہ کیا۔ آپؐ کے ہاتھ میں تیر تھا۔ ایک شخص سواد نامی صف سے آگے بڑھا ہوا تھا۔ آپ نے اس کے پیٹ پر تیر کی نوک رکھ کر فرمایا۔ اے سواد! صف درست کر و۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۲۲ وفد ثقیف۔ [2] دیکھو ابن سعد۔ ابن ہشام طبری وغیرہ۔

۱۲۔ خبر رسانی اور ناکہ بندی۔ دشمن کی ہر نقل و حرکت کی پوری خبر رکھی جاتی اور اپنی نقل و حرکت سے اُسے آخر وقت تک بے خبر رکھا جاتا۔ دشمن کو حقیقت حال کی آگاہی سے محروم رکھنے کی خاطر غلط سمت سفر کرکے پھر چکر کھا کر منزل مقصود پر پہنچنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ صرف تبوک کی مہم میں سفر کی درازی اور موسم کی خرابی کے باعث فوج کو پہلے ہی بتا دیا گیا کہ کہاں جانا ہے۔ ورنہ عموماً توریہ کیا جاتا۔ غزوہ خندق میں قریش نے مدینہ کے شمالی قبائل غطفان وغیرہ کے دس ہزار کے جم غفیر کے ساتھ حملہ کیا۔ اتنا بڑا لشکر عرب میں غیر معمولی بات تھی۔ اتفاق سے اس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے شمال میں دومۃ الجندل کی طرف گئے ہوئے تھے۔ آپ کا آدھے راستہ سے واپس آجانا اور محاصرہ کنندوں کے پہنچنے سے پہلے دو ہفتے کی مہلت پا کر خندق کی کھدائی کو مکمل کرنا خبر رسانی کے عمدہ انتظام کی دلیل ہے۔ اسی طرح فتح مکہ کی مہم کی تیاری میں ایک شخص نے مدینہ سے قریش کو اطلاع بھیجی تو پیغام رساں راستے میں پکڑا گیا۔

۱۳۔ ناکہ بندی۔ اپنی خبروں کو پھیلنے سے روکنے کے لئے ناکوں کی بندش کتنی مکمل ہو چکی تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دس ہزار کا لشکر مدینہ سے مکہ کی طرف کوچ کرتا ہے اور مضافات مکہ میں پڑاؤ ڈالنے سے پہلے دشمن کو خبر تک نہیں ہوتی۔

۱۴۔ فوجی تعداد۔ مردم شماری کے ذریعہ سے فوجی تعداد کا حساب

رکھا جاتا ۔ خلافتِ فاروقی میں ان کے وظائف مقرر کئے گئے تھے ۔

۱۵ ۔ فوجی دفتر ۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں باقاعدہ فوجی دفتر بنایا گیا ۔ اور اس میں صحابہ کے نام اور ان کی تنخواہیں مقرر کی گئیں ۔ اس دفتر کا نام "دیوان الجند" تھا ۔ وظیفہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور سبقتِ اسلام کے لحاظ سے دیا جاتا ۔

۱۶ ۔ فوجی چھاؤنیوں کا انتظام خلافتِ فاروقی میں مرتب ہو کر مختلف چھاؤنیاں فسطاط ۔ دقلعہ بابل کے نزدیک) بصرہؔ اور کوفہؔ قرار پائیں ۔ فوجوں کے متعلق حضرت عمرؓ کا یہ تاکیدی حکم تھا کہ ایسے مقام میں مستقل سکونت نہ کریں کہ اس مقام اور مدینہ منورہ کے درمیان سمندر یا کوئی بڑا دریا حائل ہو ۔

۱۷ ۔ سرحدات کی حفاظت کا محکمہ بھی ایک مستقل شعبہ فوجی نظام کا تھا جس کی طرف قرآن حکیم نے خصوصیت سے توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا ۔ واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم[1]

۱۸ ۔ معزز دشمنوں کا اسلام میں اعزاز کیا جاتا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ۔ خیارکم فی الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام اذا فقھوا ۔ چنانچہ عمرو بن العاص کے اسلام لانے پر انہیں سابقین اولین کا سردار بنا کر فوجی مہموں میں بھیجا گیا ۔ ابوسفیان نے اسلام قبول کیا تو ان کا اعزاز و اکرام اس حد تک کیا گیا

---

[1] سورۃ انفال ۔

کر ان کے گھر کو امن گاہ قرار دیا گیا۔ اور انہیں لشکروں کی سرداری اور صوبوں کی گورنری دی گئی۔ خالد بن ولید کو سیف اللہ کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔

اسلام کے اس فوجی نظام کی برتری سے متاثر ہو کر ایک مستشرق آروپی سکاٹ اپنی کتاب "اخبار اندلس" میں یوں رقمطراز ہے :۔

"اسلام کی کامیابی نے بلاشک وشبہ اسی امر کو ثابت کر دیا کہ جو لوگ ابتدائً ایمان لائے۔ وہ فنون سیاسی میں اتنے ہی ممتاز تھے جتنے کہ جنگ کی سائنس میں۔ اسلام کے قیام میں کامیاب رہنے کے لئے عقل دہر کی بہت ضرورت تھی۔ اور اس سے زیادہ ان صدمات کو رد کرنے میں جو اس کے دوام کے خلاف کئے گئے ...... یہ مقولہ غلط العام ہے کہ اسلام بجبر اور بزور شمشیر پھیلا ہے گو اس میں شک نہیں کہ اسلام کے قیام میں فوجی کامیابی کو بھی بہت بڑا دخل ہے"[2]

نیپولین جیسے فاتح کو بھی ابتدائی مسلمانانِ مکہ کی عظیم الشان فوجی فتوحات پر رشک آتا ہے[3]۔

سورۂ رعد میں انہیں مجاہدین اسلام کے نفوس مقدسہ کی طرف بایں ارشاد اشارہ ہے۔ ویسبح الرعد بحمدہ والملئکة من خیفتہ۔ الرعد والملئکة کے دو الفاظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسلامی نظام کے قیام میں جن مقدس وجودوں کی خدمات اور قربانیوں

---

[1] سورۃ الانفال۔ [2] اخبار اندلس ترجمہ اردو صفحہ ۹۴-۹۵ جلد ا۔
[3] دیکھئے نپولین کی نوشتہ فرانسیسی یادداشت جزیرہ سینٹ ہیلینا۔

کا دخل ہوگا وہ دو صفات کے مالک ہوں گے (۱) جنگی فنون اور سپاہیانہ تدابیر کے ماہر ہوں گے ۔ (۲) روحانی لحاظ سے وہ ملائکہ صفت قدوسی ہوں گے جیسا کہ تورات کی پیشگوئی "دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا"[۱] میں بھی اسی طرف اشارہ ہے اور انہیں کی صفت صحیفہ یسعیاہ میں بھی اس طرح بیان ہوئی ہے ۔

" وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے ۔ اور بحری ممالک میں اس کی ثنا خوانی کریں گے ۔ خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا ۔ وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائے گا ۔ وہ نعرہ مارے گا ، ہاں وہ للکارے گا ۔ وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا "[۲]

مکاشفہ یوحنا میں ان گرج والے فرشتوں کا ذکر ایک عظیم الشان پیشگوئی کے طور پر ان الفاظ میں آیا ہے ۔

" جب وہ چلایا تو گرج کی سات آوازیں سنائی دیں ۔ بلکہ ساتویں فرشتے کی آواز دینے کے زمانے میں خدا کا پوشیدہ مطلب اس خوشخبری کے موافق جو اس نے اپنے بندوں نبیوں کو دی پورا ہوگا "[۳]

حق تعلیم اسلام جب اسلام کے فوجی نظام کی فوقیت و برتری میں کسی قسم کا نقص نکالنے سے عاجز آجاتے ہیں تو آخر حسد و تعصب کی آگ

۱؎ استثنا ۳۳/۲ ۔ ۲؎ یسعیاہ ۴۲/۱۲-۱۳ ۔ ۳؎ مکاشفہ یوحنا ۱۰/۷ ۔ ۴؎ اس میں اہل اسلام کے غزوات کی طرف اشارہ ہے جو غزوہ بدر سے شروع ہو کر فتح مکہ تک برابر تسلسل سے ہوتے رہے ۔ منہ

سے جل کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا۔

چشم بداندیش کہ برکندہ باد
ہنرے در نظرش ہمہ عیب نماید

مگر اس کے مقابل ایک دوسرا گروہ ایسا بھی ہے جو انصاف پسند علم دوست متلاشی حق ہے۔ اس کی رائے بھی ملاحظہ ہو۔ بڑے بڑے مدبر و جرنیل جنگی ہدایات کے لئے قرآن مجید کا مطالعہ جاری رکھتے ہیں۔ چنانچہ میجر جنرل محمد اکبر خان ایک امریکہ کے جرنیل پیٹن (جس نے ۱۹۳۹-۴۵ء کی جنگ میں نمایاں حصہ لیا) کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"جب وہ جنگ کے سلسلے میں امریکہ سے افریقہ آئے۔ اور امریکہ سے فرانس گئے تو فن جنگ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کی بجائے قرآن مجید کا مطالعہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کا مطالعہ بہت ہی مفید اور سبق آموز ہے۔"

کیا عورتوں پر جمعہ فرض ہے

ایک بزرگ فاضل کا مضمون عنوان بالا سے الفضل ۳۰ جولائی ۱۹۴۹ء
میں شائع ہوا جس میں موصوف نے فریضہ جمعہ کی اہمیت پر روشنی ڈالتے
ہوئے اس خیال کا اظہار فرمایا ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں پر بھی جمعہ
فرض ہے۔ یہ مضمون درحقیقت ایک نفسیاتی جذبہ کے تحت لکھا گیا ہے۔
عام طور پر مسلمانوں میں عورتوں کے متعلق تفریط کا پہلو لئے ہوتے یہ
غلط خیال پیدا ہو گیا ہے کہ ان کی شمولیت جمعہ میں مستحسن سمجھنا تو کجا
مباح تک رکھا گوارا نہیں بلکہ اسے شرعی نگاہ سے ناپسندیدہ اور
ممنوع سمجھ لیا گیا ہے۔ اور جمعہ کو ان اجتماعی مجالس پر قیاس کر لیا گیا
جن میں مردوں کی شرکت ہوتی ہے۔ چونکہ ایسی مجالس میں عورتوں کا
جانا ممنوع ہے اس لئے جمعہ میں بھی ان کا شامل ہونا معیوب قرار دیا گیا
اس طرح اگرچہ زبان قال سے تو نہیں مگر زبان حال سے گویا جمعہ کو عورتوں
کے حق میں شجرۂ ممنوعہ قرار دے دیا گیا۔ پس اس بزرگ فاضل نے اس
غلط عقیدہ پر ضرب لگانے کے لئے اور ان کے تساہل عمل پر تنبیہ
کی خاطر قلم اٹھایا ہے۔ ان کا یہ جذبہ قابل داد اور مستحق ستائش ہے۔
فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ مگر اس بارہ میں موصوف نے ۔ ۔ ۔

...... دروانی قلم کے زور میں۔ بجائے مسلک اعتدال پر قائم رہنے کے ذرا قدم آگے بڑھا لیا۔ اس طرح غیر شعوری طور پر لوگوں کی تفریط کے مقابل ان کا افراط کی طرف میلان ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں آخر انہیں ایک صحیح حدیث (حدیث طارق) کو جو نص قرآنی کے مطابق اور وہ اصل اس کی شرح اور تفسیر تھی ضعیف قرار دے کر نظر انداز کرنا پڑا۔ اور پھر اپنے نظریئے کی صحت کی خاطر تضعیف حدیث کے لئے ایک مصنف (بدایۃ المجتہد) کے قول کی آڑ لینی پڑی۔ حالانکہ اس کے یہ کہہ دینے سے کہ "والحدیث لم یصح عند اکثر العلماء" فی الحقیقت حدیث ضعیف نہیں کہلا سکتی۔ جب تک ان علماء کے نام نہ بتائے جائیں جو اس کی تضعیف کے قائل ہیں اور کن دلائل کی بنا پر۔ جب تک ان دلائل کی تفصیل نہ دی جائے جو اس کی تضعیف کے بواعث ہیں استدلال تام نہیں کہلا سکتا۔ بغیر ان مراحل کے طے کرنے کے محض ایک دعویٰ کو بطور استشہاد پیش کر دینا کیونکر قابل قبول ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حدیث طارق صحیح ہے اور طارق بن شہاب صحابی ہیں[1]

---

[1] علامہ علاؤ الدین علی بن عثمان المارد ینی الشہیر بابن الترکمانی المتوفی ۷۴۵ھ اپنی تصنیف الجوہر النقی میں تحریر فرماتے ہیں کہ ھذا لا یضرہ فانہ بین مخالف لرأی المحدثین فکان عندھم من رأی النبی علیہ السلام فھو صحابی وقد ذکرہ صاحب الکمال فی الصحابۃ وذکرہ ایضاً صاحبہ

ہیں۔ جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ملاقات تو ثابت ہے مگر حدیث کا سماع ثابت نہیں۔ پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل صحابی کے متعلق جمہور آئمہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ حجۃ ہے۔ قال العراقی " فاذا ثبت صحبتہ فالحدیث صحیح وغایتہ ان یکون مرسلاً و مرسل الصحابی حجۃ عند الجمہور"

یہ تو علی السبیل التنزل ہے مگر خاکسار کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث محض مرسل ہی نہیں بلکہ مرفوع متصل ہے۔ طارق اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک اور صحابی کا واسطہ موجود ہے جو ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی تلخیص الحبیر میں لکھتے ہیں۔

(بقیہ ۱۶۲)

الاستیعاب فیہم وکذا فعلہ ابن مندۃ واخرج لہ ھذا الحدیث وما نقلہ البیہقی عن ابی داؤد لاینفی عنہ صحبتہ علی انہ لم ینقل کلام ابی داؤد علی ما ھو علیہ بل اغفل عنہ شیئاً فان ابا داؤد قال طارق قد رأی النبی علیہ السلام وھو یعد فی الصحابۃ ولم یسمع منہ فقد صرح بانہ من الصحابۃ کما تری والبیہقی ترک قولہ وھو یعد فی الصحابۃ۔ وقد صرح ابن الاثیر فی جامع الاصول لسماعہ من النبی علیہ السلام حیث قال رأی النبی علیہ السلام ولیس لہ سماع منہ الاشاذاً ویؤیدہ ھذا قول النووی

رواه الحاکم من حدیث الطارق ھذا عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصححہ غیر واحد۔ کہ اس حدیث کو حاکم نے اس طرح روایت کیا ہے کہ طارق ابوموسیٰ سے اور ابوموسیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور اس حدیث کو بہت سے علماء نے صحیح کہا ہے۔ (التلخیص الحبیر ص۱۳۳ ج۱)

یہ حدیث طارق اور ابوموسیٰ کے علاوہ چند ایک اور صحابہ سے بھی مروی ہے جو درج ذیل ہیں۔

(دوسری حدیث) عن ابی ھریرۃ مرفوعاً خمسۃ لاجمعۃ علیھم المرأۃ والمسافر والعبد والصبی واھل البادیۃ اخرجہ الطبرانی فی الاوسط۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔ یعنی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ پانچ شخصوں پر جمعہ فرض نہیں عورت اور مسافر اور غلام اور لڑکا اور جنگل میں رہنے والا۔ اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اس حدیث کے مطابق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رضی اللہ عنہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

ص۱۶۳ (بقیہ) فی التھذیب صحابی ادرک الجاھلیۃ وصحب النبی علیہ السلام وعقد لہ المزی فی اطرافہ مسنداً وذکر لہ عدۃ احادیث۔ (الجوہر النقی ص۱۸۲-۱۸۳ ج۱ مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن)

روی عن طرق شتّٰی یقوی بعضھا بعضاً" کہ یہ حدیث چند مختلف طریقوں سے مروی ہے جو ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔

(تیسری حدیث) عن جابر ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم قال من کان یومن باللّٰہ والیوم الآخر فعلیہ الجمعۃ الّا مریض او مسافر او امرأۃ او صبی او مملوک (سنن الدارقطنی والبیہقی)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللّٰہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ اس پر جمعہ فرض ہے سوائے مریض یا مسافر یا عورت یا لڑکے یا مملوک کے۔ اس حدیث کو دار قطنی اور بیہقیؒ نے روایت کیا ہے۔

(چوتھی حدیث) عن ام عطیۃؓ قالت نھینا عن اتباع الجنازۃ ولا جمعۃ علینا اخرجہ ابن خزیمۃ۔ (بحوالہ تلخیص الحبیر)

حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ ہمیں جنازہ کے ساتھ جانے سے منع کیا گیا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ہم پر جمعہ فرض نہیں۔ اس حدیث کو ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے۔

(پانچویں اور چھٹی حدیث) ان چار صحابہ کے علاوہ دو اور صحابہ سے بھی اس قسم کی روایات مروی ہیں۔ چنانچہ ابو حازم مولی آلِ زبیرؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔

"انہ قال الجمعۃ واجبۃ علی کل حالم الا علی الاربعۃ علی الصبی والمملوک والمرأۃ والمریض"۔ (سنن بیہقی) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ نے فرمایا۔ جمعہ ہر بالغ پر فرض ہے سوائے چار شخصوں کے یعنی نابالغ بچہ اور غلام اور عورت اور بیمار کے۔

(چھٹی حدیث) "عن ام عطیۃ رضی قالت لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ جمع نساء الانصار فی بیت فارسل الیھن عمر بن الخطاب فقام علی الباب فسلم علینا فرددنا علیہ السلام فقال انا رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیکن قالت فقلنا مرحبًا برسول اللہ وبرسول رسول اللہ قال تبایعن علی ان لا تشرکن باللہ شیئًا ولا تسرقن ولا تزنین الاٰیۃ قالت فقلنا نعم فمد یدہ من خارج البیت ومددنا ایدینا من داخل البیت ثم قال اللھم اشھد۔ وامرنا بالعیدین ان نخرج فیھما الحیض والعتق ولا جمعۃ علینا" (سنن بیہقی)

ام عطیہ رضی فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو انصار عورتوں کو ایک گھر میں جمع کیا اور عمر بن خطاب کو ان کی طرف بھیجا وہ دروازے پر آکر کھڑے ہوگئے اور ہمیں سلام کیا

اور ہم نے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا ایلچی ہوں حضور نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ ام عطیہ کہتی ہیں کہ ہم
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے ایلچی دونوں کو خوش آمدید کہا۔
پھر عمرؓ نے کہا کہ بیعت کرو ان شرائط پر کہ ہم شرک نہیں کریں گی اور چوری
نہیں کریں گی اور زنا نہیں کریں گی (قرآن کریم میں جو سورہ ممتحنہ کی آخر آیت
میں شرائط بیعت مذکور ہیں وہ سب پڑھ کر سنائیں) ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے
اس پر لبیک کہا۔ پھر حضرت عمرؓ نے گھر سے باہر کی طرف سے ہاتھ بڑھایا
اور ہم نے اندر کی طرف سے ہاتھ بڑھایا۔ پھر کہا اے اللہ تو اس پر گواہ
رہیو۔ اور عمرؓ نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم عیدین میں حائضہ عورتوں کو بھی
لے جائیں اور ان لڑکیوں کو بھی جو قریب البلوغ ہوں اور یہ بھی بتایا کہ
ہم پر جمعہ فرض نہیں۔

پس اس قدر متعدد صحابہ سے مروی احادیث کو محض ایک شخص کے
قول کی خاطر نظر انداز کر دینا ایک خطرناک غلطی ہے۔ دوسری بات جو
فاضل بزرگ نے بیان فرمائی یعنی فقہاء امت کے اجماع کا تذکرہ کر کے
اس کے معارضہ میں شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ کی تصنیف المیزان الکبریٰ سے
بعض ان علماء کے اقوال پیش کئے جو اس اجماعی رائے کے خلاف ہیں۔
انہوں نے اگرچہ اپنے مسلک کی تائید کے لئے گویا ایک مزید دلیل کہا گیا۔
مگر حقیقت یہ ہے کہ فقہی مسائل میں آئمہ کا ایسا اجماع تو شاید کہیں
بھی نہیں ملے گا جس میں بغیر کسی قسم کے اختلاف کے سب کے سب

متفق ہوا۔ لامحالہ اس بنا پر امام احمد بن حنبلؒ اس قسم کے اجماع کے قائل ہی نہیں۔

اور تحقیق کا مسلک یہ ہے کہ صرف عہد صحابہ میں ہی اجماع کا امکان تھا اور وہی اجماع حجت ہے نہ کہ بعد کا۔ نہیں مسئلہ اجماع پر جب فلسفیانہ اصول پر اہل فن کے مباحث ہوتے تو اس پر خدشات و اعتراضات کی اس قدر بھرمار ہوئی کہ جان چھڑانی مشکل ہو گئی۔ آخر متاخرین اصولیین نے ان اعتراضات سے بچنے کی خاطر اجماع کے مختلف اقسام قرار دے کر اجماع بسیط و اجماع مرکب کی اصطلاحیں گھڑ لیں۔ پھر آگے ان کے اقسام بلکہ اقسام در اقسام بنا دیئے۔ یہ تنوع آراء اور اختلافات دراصل اس وقت کی پیداوار ہیں جب کہ اجماع کی صحیح حقیقت لوگوں کی نظر سے اوجھل ہو گئی۔ ان کے سامنے وہ امور اور حالات نہیں تھے جو انعقاد اجماع کے محرک اور اس کے ذرائع اور وسائل تھے۔ اس لئے اصل حقیقت فسانہ بن کر رہ گئی یہاں تک کہ بعض وہ مقدس نفوس جن کو اللہ تعالیٰ نے خلعت مجددیت عطا فرما کر اغلوطات دینی کی اصلاح کے لئے مامور فرمایا تھا۔ انہوں نے اس حقیقت کی نقاب کشائی فرمائی۔

چنانچہ بارھویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس خطۂ ہند میں اس خدمت پر مامور ہوئے تھے اس کی حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا۔ "معنی اجماع کہ بر زبان علماء شنیدہ باشی ایں نیست کہ ہمہ مجتہدین لا یشذ فرد در عصر واحد بر مسئلہ اتفاق کنند زیرا کہ ایں صورت است غیر واقع بل غیر ممکن عادی بلکہ معنی اجماع

حکم خلیفہ است بچیزے بعد مشورت ذوی الرائی یا بغیر آں ونفاذ آں حکم تا آنکہ شائع شدہ در عالم تمکن گشت۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین (الحدیث)

(ترجمہ) اجماع کا نام جو آپ نے علماء کی زبان سے سنا ہوگا اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام مجتہد ایک وقت میں کسی مسئلہ پر اتفاق کر لیں یہاں تک کہ کوئی فرد بھی ان سے باہر نہ رہے۔ کیونکہ یہ صورت تو کبھی وقوع پذیر نہیں ہوتی۔ بلکہ عادۃً غیر ممکن ہے۔ ہاں اجماع کا مطلب یہ ہے۔ کہ خلیفہ وقت اصحاب الرائے سے مشورہ لینے کے بعد یا بغیر مشورہ کسی چیز کا حکم دے اور اس حکم کا نفاذ کرائے یہاں تک کہ وہ لوگوں میں شائع ہو کر عالم میں مضبوط مقام حاصل کرے۔ اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ نے فرمایا۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین تم پر میرے طریقہ اور میرے خلفاء راشدین کے طریق کی پیروی لازم ہے۔ (ازالۃ الخفاء ص ۲۵ ج ۱)

پس یہ ہے وہ اجماع جو حجج شرعیہ میں سے ہے جس کی اتباع سنت نبوی کی طرح واجب ہے۔ اس کے سوا اگر کہیں اور اجماع ہے جس کا وجود محض فرضی ہے تو اس کی خلاف ورزی کوئی معیوب نہیں پس علماء کے ان مختلف اقوال و آراء کو اجماع کے مقابل قرار دے کر اس سے ضعف اجماع کا استدلال کرنا کہاں تک موزوں ہے اس زمانہ میں جب اجماع ہی نہ تھا تو پھر مقابلہ کیسا۔ یہ اقوال تو اس دور کے ہیں جب کہ نظام خلافت کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا۔ امت مسلمہ کے اجماعی نظام کو قائم کرنے والی قوت اور

جمعیتہ ملیہ کے اعضائے مختلفہ کو ایک متحدہ نظام میں منسلک کرنے والی روح مدبرہ یعنی تمام امت کے لیئے ایک واجب الاطاعت امام اور خلیفہ کا وجود سامنے نہیں رہا تھا اس وقت علماء دین انفرادی طور پر اپنے اپنے رنگ میں دینی خدمات میں لگے ہوتے تھے اور اپنی استعداد ذہنی اور خداداد ملکۂ فطرت کے مطابق اپنے علم و اجتہاد سے کام لے کر دینی مسائل میں سہولت امت کی خاطر حسب ارشاد نبوی اختلاف امتی رحمۃ نئے نئے نظریئے قائم فرما رہے تھے۔ ان کی یہ مساعی جمیلہ امت کے لیئے قابل فخر اور مستحق ستائش ہیں جزاہم اللہ احسن الجزاء ان کے اجتہادات خواہ صحیح ہوں یا خطاء یقیناً دربار الٰہی میں مقبول اور موجب اجر ہیں مگر باوجود ایں ان کو وہ درجہ نہیں دیا جا سکتا کہ اجماع جیسی ایک حجت دینی کے مقابل میں انہیں پیش کیا جا سکے۔ ان اجتہادات و آراء علماء کے شیوع کے لیئے بھی ایک دور تھا جو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے دو دوروں کا درمیانی عرصہ تھا۔ اس دور کے اختتام کا زمانہ حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے وابستہ تھا۔ آج جب کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے وعدہ ثم تکون الخلافۃ علیٰ منہاج النبوۃ کے مطابق نظام خلافت کو دوبارہ قائم فرمایا ہے۔ اور اب منہاج نبوت والی خلافت ہمارے سامنے ہے متشتت و منتشر امت کے افراد مرکز وحدت پر جمع ہیں۔ ہمارا ایک واجب الاطاعت امام و خلیفہ موجود ہے جس کی آواز کے سامنے تمام آوازیں پست ہیں وخشعت

الاصوات للرحمٰن فلا تسمع الا همسا کی پیشگوئی کا نظارہ ہمارے مشاہدہ میں آرہا ہے۔ یہ مبارک وجود اگر کہیں علماء کے آراء میں تشتت و انتشار کا خطرہ محسوس کرتا ہے اور اپنے حکیمانہ کلام سے جب جماعت کو خطاب فرماتا ہے تو خشیۃ اللہ کی کیفیت جماعت میں نمایاں ہو جاتی ہے۔ قلوب میں تسکین و انشراح پیدا ہو کر اپنے اختلافی آراء کو چھوڑ کر ایک امر پر مجتمع ہو جاتے ہیں۔ جماعت احمدیہ اس پر جس قدر فخر کرے شایان ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ پس ہمارے نزدیک ایسے حقیقی زندہ اور طاقتور اجماع کے سامنے دورِ ملوکیت والے اجماع کو پیش کرنا گویا ہیرے کے سامنے پتھر کی مثال ہے۔

ایک عظیم الشان رؤیائے نبوی کے روحانی پہلو کا ظہور

قرآن حکیم وہ دلربا کتاب ہے جس کی شان میں ہے اللہ نزل احسن الحدیث کتابًا متشابھًا مثانی یعنی یہ وہ بہترین کلام ہے جو بصورت کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتارا گیا ہے جس کے مضامین ایک طرف نہایت دلکش شکل میں مربوط اور منظم ہیں۔ دوسری طرف اس کی پیشگوئیاں مثانی کا رنگ رکھتی ہیں جو متعدد مواقع پر مختلف اوقات میں ملتے جلتے واقعات کے رنگ میں ظہور پذیر ہو کر اپنے زمانہ میں اس کی مثنیٰ نقلیں (Duplicates) پیش کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر میں اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رؤیا کو پیش کرتا ہوں جس کا تذکرہ قرآن مجید میں یوں آتا ہے۔ لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ اٰمنین محلقین رؤسکم و مقصرین لا تخافون (سورۃ الفتح ع ۳) اس رؤیا کی ایک تعبیر تو وہ تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ظہور پذیر ہوئی۔ جب کہ مومنین مسجد حرام میں ظاہری طور پر بلا خوف و خطر فاتحانہ طور پہ داخل ہوئے۔ مگر اس رؤیائے نبوی کی ایک دوسری تعبیر بھی تھی جو آخری زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ کے دور میں روحانی رنگ میں آپ کے بروز مسیح موعود مہدی معہود کے ذریعہ

پوری ہونے والی تھی۔

حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امتِ مسلمہ کو جو خلافتِ اسلامیہ جیسی اعلیٰ نعمت سے نوازا گیا تھا اور جو روحانی طور پر امت کے اتحاد کے لئے مسجد حرام کا درجہ رکھتی تھی جب کچھ عرصہ کے بعد امت کے بعض ناخلف نوجوانوں نے اس نعمتِ الٰہی کی ناقدری کی اور ان کے کرتوتِ بد سے دائرۂ اسلام میں فتنہ فساد کی آگ اس حد تک بھڑک اٹھی جس سے کشتیٔ اسلام کے چلانے والے خلفاء راشدین جیسے مقدس وجود بھی اس کی زد سے بچ نہ سکے۔ تب اس نعمت الٰہی کی ناشکری کے باعث مسلمانوں کو اسی مسجد حرام (نظامِ خلافت) سے نکال دیا گیا اور حسبِ ارشاد نبوی اُمت کو خلافت سے محروم کر کے ان پر جابرانہ ملوکیت کا دور مسلط کر دیا گیا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم یکون ملکا عضوضا (مشکوٰۃ)

خلافت کے اٹھ جانے پر اس دورِ ملوکیت میں مسلمانوں کی زبون حالی روز بروز بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ آخر تیج اعوج کا وہ دور بھی آیا جب کہ کفر و شرک کی طاقتوں، دجالی حکومتوں نے اسلامی حکومتوں پر اس قدر زبردست یلغار کی اور اپنے سیاسی و اقتصادی پنجۂ اقتدار سے مسلمانوں کی ایسی گرفت کی جس سے نکلنا دنیوی سامانوں کی رُو سے ان کے لئے ناممکن ہو گیا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے متعلق پیشگوئی فرمائی تھی کہ اس وقت اُن سے لڑنے کی کسی کو طاقت نہیں ہوگی۔

لایدان لاحد بقتالهم (صحیح مسلم) مگر باوجود اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس کی زبون حالی کی وجہ سے مایوس نہیں ہونے دیا بلکہ فیج اعوج کے ایسے خطرناک زمانہ کے آنے پر امت کو یہ خوشخبری بھی سنا دی کہ کیف تھلک امۃ انا اولھا وعیسیٰ بن مریم آخرھا (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۰۳) وہ امت کیونکر ہلاک ہو سکتی ہے جس کے اول میں میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ ہوگا۔ گویا مسیح موعود امت کی حفاظت کے لئے بطور تعویذ ہوگا۔ آپ کے ذریعہ امت کو خلافتِ اسلامیہ کا وہ گم گشتہ فردوس جس سے امت محروم ہو چکی تھی۔ وہ مسجد حرام جس سے مسلمانوں کو سزا کے طور پر نکال دیا گیا تھا۔ آپ کے ساتھ وابستہ ہونے پر اور آپ کی پیروی کرنے پر دوبارہ انہیں اس میں داخل ہونے کا شاندار موقع مل جائے گا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ ثم تکون خلافۃ علی منھاج النبوۃ (مشکوٰۃ کتاب الفتن) کہ منہاج نبوت والی خلافت کا دور آپ کی بعثت کے بعد پھر چل پڑے گا۔ پس حدیث بالا کا اصل منبع اگر آپ قرآن حکیم میں تلاش کرنا چاہیں تو سورۃ فتح کی آیت بالا میں آپ کو یہ مضمون بخوبی مل سکے گا۔ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت وما جعلنا الرؤیا التی اریناک ...... والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن میں بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کو اور مسیح موعود علیہ السلام کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا۔ چونکہ طواف مسجد حرام میں داخل ہو کر کیا جاتا ہے

اس میں اشارہ تھا کہ ایک وقت دجال مسلمانوں کی جنت میں گھس کر فتنہ پھیلائے گا اور مسیح موعود علیہ السلام اس فتنہ کا قلع قمع کر کے دجال کو اس جنت سے نکال کر دم لے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خطبہ الہامیہ میں فرماتے ہیں کہ ازل سے یہ مقدر تھا کہ شیطان کے ساتھ دو دفعہ جنگ ہوگی۔ پہلی جنگ میں تو شیطان نے آدم کو جنت سے نکال دیا تھا۔ دوسری جنگ میں مسیح موعود شیطان پر غلبہ پا کر اُسے جنت سے نکال دے گا۔ اس وقت آسمانی حربہ سے دجال قتل کیا جا دے گا۔ (دیکھو خطبہ الہامیہ حاشیہ ما الفرق بین آدم والمسیح الموعود ص) جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔ اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہٗ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہٗ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے بشارت پا کر فرمایا کہ جب دجال ہلاک ہوگا تو اس کے بعد قیامت تک پھر کوئی دجال نہیں ہوگا۔" اذا ھلک الدجال فلا دجال بعدہ الی یوم القیامۃ امر من لدن حکیم علیم و نبأ من عند ربنا الکریم۔ و بشارۃ من اللہ الرؤف الرحیم" (تحفہ گولڑویہ طبع اوّل ص ۹۹)

وہ مقدس نفوس جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نشکر روحانی میں شامل ہو کر احیاءِ اسلام کے فریضہ کی بجا آوری میں مشغول ہوں گے۔ اس وقت انہیں اس روحانی فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے ایک روحانی احرام بھی باندھنا ہوگا۔ جس طرح احرام میں دنیاوی تکلفات اور لباس ہائے فاخرہ کو چھوڑ

کہ گویا ایک سادہ سا کفن اوڑھنا پڑتا ہے اسی طرح اس الہی لشکر کو بھی زندگی کے تکلفات چھوڑ کر جانی اور مالی قربانیوں کے بھڑکتے تنور میں داخل ہونا پڑے گا۔ یہ گویا اس مسجد حرام میں داخلہ کا ٹکٹ ہوگا جیسا کہ دوسری جگہ تصریحاً فرمایا گیا ہے۔ ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ (توبہ ع ۱۴) اور سورۂ محمدؐ میں اشارۃً پیشگوئی فرمائی کہ اس زمانہ میں دوسرے نام نہاد مسلمان دنیا کے دھندوں میں اتنے منہمک ہوں گے کہ فریضۂ اسلام کی بجا آوری کیلئے انہیں فرصت ہی نہیں مل سکے گی۔ فرمایا۔ وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم (محمد ع ۴)

اس وقت خطۂ ارضی پر صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہی ایک جماعت ہوگی جو دینی قربانیوں میں صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنے ہوں گے اور انہیں کے رنگ میں رنگین ہو کر فمنھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر کا نمونہ پیش کرینگے۔ چنانچہ آیت میں آگے محلقین رؤسکم ومقصرین کے الفاظ سے انکی ان دو قسم کی قربانیوں کی طرف اشارہ ہے محلقین رؤسکم میں ان واقفین زندگی (طیور ابابیل) کی طرف اشارہ ہے جو اپنے تمام علائق وطنی، قومی، جانی اور مالی سے منقطع ہو کر فریضۂ اسلام کی ادائیگی میں منہمک ہو جائیں گے۔ اور مقصرین میں ان نفوس کی طرف اشارہ ہے جو اس پہلے گروہ کی نسبت سے دوسرے نمبر پہ رہتے ہوئے مرکز کی تحریکوں میں حصہ لے کر اشاعت اسلام کے کام میں ان کا ہاتھ بٹانے والے ہونگے۔ چنانچہ اسی مضمون کے متعلق اگلی آیت کے الفاظ رکعاً سجداً میں بھی اسی قسم کا اشارہ ملتا ہے۔ فتدبر ۔

ایک غیر از جماعت شخص کا خواب اور اُس کی تعبیر

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے سریر آرائے خلافت ہونے سے قبل خاکسار کے ذمہ گزشتہ تیرہ صدیوں کے سلف صالحین کے الہامات ورؤیا و کشوف کے جمع کرنے کا کام سپرد فرمایا تھا۔ بفضلہ تعالیٰ حضور نے تقریباً چھ سو بزرگوں کے رؤیا والہامات جمع کر کے حضور کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ دراصل اس قسم کے آسمانی نشانات اور روحانی انوار موجودہ زمانہ کی دجالی زہر کا تریاق ہیں۔ اللہ تعالیٰ پہلے بھی ہمیشہ ان شیطانی وساوس کے رجم کا انتظام ایسے ہی آسمانی شہابوں کے ذریعہ کرتا رہا ہے۔ موجودہ زمانہ میں چونکہ شیطانی حملہ بڑے پیمانے پر اور منظم طور پر تھا اس کے قلع قمع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زبردست آسمانی حربوں سے مسلح فرما کر شجرۂ ایمان کی مکمل آب یاری کی اور ہر پہلو سے غلبہ اسلام کا انتظام فرمایا۔ نشاۃ اسلام کے اس دور جدید میں اس آسمانی نظام شمسی کے مرکزی نقطہ امام الاقوام کی شناخت و تعلق کے لئے بہت سے نفوس کو الہامات ورؤیا و کشوف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی جس سے وہ ہدایت یاب ہوئے مگر بعض وجود ایسے بھی تھے جن کی بدقسمتی

ورہنمائی کے لیئے ربوبیت الہیہ نے روحانی کمک ریزی کا انتظام تو
فرمایا مگر افسوس کہ وہ اپنی شامت اعمال کے باعث اس روحانی نعمت
سے متمتع نہ ہو سکے۔ مثال کے طور پر عہد حاضر کے ایک شخص کا ایک عجیب
رؤیا ملاحظہ ہو جسے منشی عبدالرحمٰن خان صاحب نے مولانا اشرف علی
صاحب تھانوی کی سوانح میں قلم بند کیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:-

"مشہور نعت گو شاعر محسن کاکوروی کے فرزند مولانا انوار الحسن
کاکوروی اپنا ایک خواب بیان کرتے ہیں کہ میں نے سفر حج میں بمقام مدینہ طیبہ
حضرت مولانا تھانوی مدظلہ کے متعلق ایک خواب دیکھا...... خواب
میں دیکھتا ہوں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ایک چارپائی پر بیمار پڑے
ہوئے ہیں اور حضرت مولانا تھانوی تیمارداری فرما رہے ہیں اور ایک
بزرگ دور بیٹھے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جن کے متعلق خواب ہی میں معلوم
ہوا کہ یہ طبیب ہیں۔ آنکھ کھلنے پر فوراً میرے ذہن میں یہ تعبیر آئی کہ حضور
تو کیا بیمار ہیں حضور کی امت بیمار ہے اور حضرت مولانا اس کی تیمارداری
یعنی اصلاح فرما رہے ہیں۔ لیکن وہ بزرگ جو دور بیٹھے نظر آئے وہ سمجھ
میں نہ آئے کہ کون تھے۔ واپسی ہندوستان پر میں نے حضرت مولانا
تھانوی کی خدمت میں یہ خواب لکھ بھیجا....... حضرت مولانا
نے تحریر فرمایا کہ وہ حضرت امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ اور چونکہ ابھی زماناً
بعید ہیں اس لئے خواب میں مکاناً بعید دکھائی دیئے۔" (سیرت اشرف
صـ۳۲ شائع کردہ ادارہ نشر المعارف ملتان)

مولانا نے رؤیا کی تعبیر تو خوب فرمائی۔ مگر آگے اس کی تاویل کر کے آپ کا یہ فرمانا کہ "وہ چونکہ ابھی زماناً بعید ہیں اس لئے خواب میں مکاناً بعید دکھائی دیئے" یہ تاویل محض دفع الوقتی ہے۔ اور آسمانی روشنی کو دھندلا کرنے کا ایک حیلہ ہے اس سے تو اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت پر سخت حرف آتا ہے کہ امت بیمار ہے۔ حالت نہلک ہے۔ ایسے نازک موقعہ پر بھی شان رحیمیت کے باوجود اس کی رأفت وہمدردی جوش نہیں مارتی کہ مسیحا نے امت کو بھیجے بلکہ اب بھی اسے دور ہی رکھنا ہے۔ البتہ امت کی تیمارداری ایسے شخص کے رحم وکرم پر چھوڑنا ہے۔ جسے آسمانی محکمہ میں طبیب قرار نہیں دیا جاتا کیونکہ رؤیا میں دوسرے شخص کو ہی طبیب بتلایا جاتا ہے۔ اگر مولانا کی تاویل صحیح قرار دی جائے تو کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اللہ تعالیٰ کو امت کی موت ہی منظور ہے اور گویا وہ اس انتظار میں ہے کہ جب امت اپنی زندگی کا آخری سانس لے تب مسیحا کے وقت کو غالباً فاتحہ پڑھنے کے لئے بھیجا جائے۔ ؎

جب مر گئے تو آئے ہمارے مزار پر
پتھر پڑیں صنم تیرے ایسے پیار پر

پس مولانا کی یہ تاویل تو یقیناً غلط ہے۔ اگرچہ بات عصری سے خالی الذہن ہو کر اسے دیکھتے تو مولانا کے لئے اس کی صحیح تعبیر کوئی مشکل نہیں تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں بُعد سے زمانی یا مکانی بُعد مراد نہیں

بلکہ ذہنی بُعد کی طرف اس میں اشارہ ہے۔ جیسا کہ ہر مامور الٰہی کے وقت حق ناشناس ابنائے زمانہ مامور کا زمانہ پا کر اور اس کے قریب ہوتے ہوئے اسے دیکھ کر بھی نہیں پہچان سکتے کیونکہ ان کے تخیلات ذہنی میں جو موعود کے متعلق نقشہ ہوتا ہے۔ یہ مامور اس کے مطابق نہیں ہوتا۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن مجید میں یوں توجہ دلائی گئی ہے۔ تراھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون۔

اصحاب الیمین و اصحاب الشمال کا عجیب نظارہ

۳۲-۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے جب کہ ریاست بہاولپور میں مقدمہ تنسیخ نکاح کے دوران احمدیوں اور دیوبندیوں کے مابین ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں بحث ہو رہی تھی۔ میں بھی یہ بحث سننے کے لئے آیا تھا چونکہ دیر ہو جانے کے باعث میں پیدل تیز تیز جا رہا تھا کہ اچانک پیچھے سے ایک ٹانگہ آ پہونچا جس میں دیوبندی احباب جو میرے پرانے واقف کار اور بعض کلاس فیلو بھی تھے اس میں سوار تھے۔ مواد بحث کے لئے کچھ امدادی کتب لئے وہ بھی ادھر جا رہے تھے چونکہ سلسلہ احمدیہ میں مجھے داخل ہوتے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا ان دوستوں کو میرے احمدی ہونے کا علم نہیں تھا۔ مجھے پیدل جاتے دیکھ کر ٹانگہ کھڑا کیا۔ اور مجھ سے پوچھنے پر جب انہیں معلوم ہوا کہ میں بھی ادھر ہی جا رہا ہوں مجھے سوار کر کے ٹانگہ دوڑا کر احاطہ عدالت تک پہنچے۔

جب ہم کمرۂ عدالت تک پہونچے تو میں نے اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال کا عجیب نظارہ دیکھا۔ کمرۂ عدالت میں داخلہ کا دروازہ جو شرقی طرف تھا دیکھا کہ اس کے دائیں طرف احمدیوں کی نشست گاہ ہے اور بائیں طرف احمدیوں کے مقابل فریق ثانی کی۔ داخل ہو کر جب میں دائیں طرف جانے لگا

تو دیوبندی دوست میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف لے جانے لگے اور میرے دوسری جانب اصرار کرنے پر کہنے لگے کہ وہ تو مرزائیوں کی جگہ ہے۔ تب میں نے انہیں کہا انا من اصحاب الیمین کہ میں اصحاب الیمین میں شامل ہوں۔ اتفاق دیکھئے نشست گاہ کی ہیئت کذائیہ کی تجویز خود اکثر غیر احمدیوں کے منصوبے سے ہوئی تھی۔ انہوں نے شائد اپنے نقطۂ نگاہ سے احمدیوں کو بائیں طرف جگہ دی تھی اور دائیں جانب اپنے لئے منتخب کی تھی۔ کیونکہ عدالت کی جگہ جو مغربی جانب تھی اور جج جو قبلہ کو پیٹھ دے کر بیٹھتا تھا۔ اس کی داہنی طرف کو انہوں نے اپنے لئے باعث فخر اور نیک فال شمار کیا اور احمدیوں کو جج کی بائیں جانب جگہ دے کر گویا اپنے خیال میں ان کی تذلیل کی۔ مگر قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے۔ بوجہ حق سے محجوب ہونے کے ان کے دماغ ایسے کند ہو گئے کہ یہ نہ سوچا کہ یہ ہیئت تو قبلہ کو پیٹھ دینے کی وجہ سے ہے حالانکہ مومن کو تو یہ حکم ہے۔

حیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ۔

عہد حاضر میں بھی جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اجتماع و اتحاد کے لئے ایک امام اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے ایک روحانی مرکز قرار دیا تو اس کی طرف بھی ان میں سے اکثر نے رُخ نہ کیا۔ بلکہ پیٹھ ہی دی۔ جب میں اندر داخل ہوا تو دیکھا محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس کی تقریر ہو رہی تھی اور کمرہ میں ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سامعین ہمہ تن نغمہ سروش کے خمار میں مست تھے۔ جج بھی کرسی عدالت پر محویت کے عالم میں قلم ہاتھ میں

ہمارے منہ کے قریب لئے محو سماع نظر آیا۔ میں چونکہ احمدیت کے لحاظ سے حدیث العہد تھا۔ (میری بیعت ۱۹۲۷ء کی ہے اس سے پہلے میں نے کسی احمدی کو اپنے مدمقابل کے سامنے تقریر کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ان کی تقریر کچھ ایسے رنگ میں تھی جس کا نقشہ قرآن مجید کی ان آیات میں کھینچا گیا ہے۔ جہاں مجاہدین اسلام کے کارناموں کے تذکرے بیان کئے ہیں اور جن میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے دور کی بھی پیشگوئی ہے۔

والنازعات غرقاً والناشطات نشطاً والسابحات سبحاً۔

میں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فوج کا یہ جانبازہ سپاہی پورے زور وقوت کے ساتھ دلائل حقہ اور براہین قاطعہ کے پیہم واروں سے مولویوں کے عقائد باطلہ اور ان کے خود تراشیدہ مسائل کی دھجیاں اڑانے میں مستغرق ہے اور ایک ہوشیار ڈاکٹر کی طرح اپنے فن سرجری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان اغلوطات کا اپریشن ایسے عمدہ طریق سے کر رہا ہے۔ اور تنقیحی امور کی تنقید کرتے ہوئے ان عقائد فاسدہ کے پُر عفونت مواد خبیثہ کو ایک ایک کر کے ایسے طور پر نکال رہا ہے۔ جیسے لائق سول سرجن کامیاب اپریشن کی صورت میں مریض کے جسم سے تمام غلیظ اور زہریلے مواد نکال کر باہر پھینک دیتا ہے۔ اور کام ایسے پُرسکون کیف اور نشاط طبع سے ہو رہا ہے کہ گفتگو میں کسی قسم کی تلخی آنے نہیں پاتی۔ جیسا کہ عموماً مولویوں کی گفتگو میں ہوتی ہے۔ بلکہ نہایت ٹھنڈے دل سے حاضرین بھی نشاط و سرور

سے سُن رہے ہیں۔ یہ شہسوار میدان تقریر میں اپنے اشہب بیان کو ایسے طور پر چلا رہا تھا۔ گویا اسپ تیز رفتار ہوا میں تیر رہا ہے۔ میں جب بھی سورۃ نازعات کی آیات مندرجہ بالا کی تلاوت کرتا ہوں تو مجھے اس واقعہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور سورۂ ص کی پیشگوئی الصافنات الجیاد کا منظر میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ جو اس وقت مسیح موعود سلیمان وقت کے حکم و ارشاد کے ماتحت دندناتے ہوئے دنیا کے کناروں تک پہنچ کر مذہبی جہاد کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔

اللّٰھم صل وسلم علیٰ محمد وعلیٰ عبدک

المسیح الموعود والمصلح الموعود آمین

سورہ طلاق میں تقویٰ کے ماتحت قدم اٹھانیوالے کیلئے

پانچ الٰہی وعدے

سورۂ طلاق میں تقویٰ کے پیش نظر طلاق کا قدم اٹھانے والے کے لئے پانچ الٰہی وعدے بیان ہوتے ہیں۔

پہلا وعدہ من یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً۔ یعنی جس مخمصہ سے خلاصی پانے کے لئے مرد نے بیوی کو نکالا۔ اللہ تعالےٰ متقی کو اس مخمصہ سے ضرور نکال دے گا۔ اگر تقویٰ مد نظر نہیں ہوگا تو اس مخمصہ سے خلاصی کا وعدہ نہیں ممکن ہے کہ طلاق کے بعد مرد اور بھی زیادہ مصائب میں مبتلا ہو جائے۔

دوسرا وعدہ ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کے سکون قلب کا ایک ذریعہ عورتوں کو بھی قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا۔ لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ

ورحمۃ (روم آیت ۳) پس طلاق دینے والے مرد نے جس اطمینان اور سکون قلبی کے مفقود ہونے کے باعث طلاق دی ہے اللہ تعالیٰ اس کی تسکین قلبی کے لئے دوسرے ایسے غیبی سامان پیدا کر دے گا۔ جن کا اسے خیال تک نہیں ہو گا۔

تیسرا وعدہ ویجعل لہ من امرہ یسرا۔ گھر سنبھالنے اور خانگی نظام چلانے کے لئے عورتیں ہی معاشرۂ اصلی کا بنیادی ستون ہوتی ہیں۔ جنتی نظام عورت اور مرد کے اجتماع و ائتلاف سے قائم ہوتا ہے جس کی طرف آیت یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ اشارہ کر رہی ہے۔ طلاق دینے کے بعد یہ جنتی نظام بگڑ جاتا ہے اور خانگی معاملات پُرسکون نہیں رہتے۔ گھر اُجڑ جاتا ہے۔ انسان سخت مصائب و مشکلات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مگر تقوٰی کے ماتحت قدم اٹھانے والے کے لئے الٰہی وعدہ ہے کہ اس کی مشکلیں آسان کر دی جائیں گی۔

چوتھا وعدہ یکفر عنہ سیئاتہ۔ طلاق دینا کوئی اچھی چیز نہیں۔ طلاق خدا تعالیٰ کو ناپسندیدہ ہے۔ شریعت نے اسے بحالت اضطرار و ضرورت اگرچہ مباح قرار دیا ہے مگو فی نفسہٖ یہ ایک قسم کی سیئہ اور کوتاہی ہے۔ الطلاق ابغض المباحات ارشاد نبوی ہے۔ جو مرد اپنی خامی کے باعث رفیقۂ حیات کو اپنے ساتھ ملا نہیں سکا۔ گویا وہ اپنی قابلیت قوامون علی النساء کی خامی کا اپنے اس فعل سے اعتراف کر رہا ہے۔ اس کی قابلیت کا معیار تو یہ تھا کہ خیرکم خیرکم

لاھلہ ۔ مگر جب وہ اس مقام پر قائم نہ رہ سکا اور بامر مجبوری طلاق دے کر اپنی جان چھڑانی چاہی ۔ اگر تقویٰ کے ماتحت اس نے یہ قدم اٹھایا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی خامی اور کوتاہی کا مداوا فرما دے گا ۔

نکتہ یکفر عنہ سیئٰتہ نہیں فرمایا یعنی صرف طلاق کی سیئہ کے کفارہ کا ذکر نہیں بلکہ سیئاتہ فرمایا اس میں حکمت یہ ہے کہ عورت و مرد جو ایک دوسرے کے عیوب و نقائص ڈھانپنے کے لیئے گویا لباس تھے ۔ ھن لباس لکم و انتم لباس لھن ۔ مگر اب طلاق کے بعد یہ ستر پوشی قائم نہیں رہ سکتی بلکہ بہت سے عیوب مرد اور عورت کے پردۂ اخفاء سے باہر آجاتے ہیں جس سے شریف انسان کی نہایت سُبکی ہوتی ہے ۔ لیکن تقویٰ کے ماتحت قدم اٹھانے والے کیلئے اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا فرما دیتا ہے کہ ان عیوب و نقائص کی اشاعت کے منافذ بند ہو جاتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اپنی ستاری کی چادر میں اسے لے آتا ہے ۔ متقی کے تقویٰ کی خوشبو اس کی سیئات کی بدبو پر غالب آجاتی اور اس کی معطر ہوا اس بدبو کو اڑا کر کہیں دُور لے جاتی ہے ۔

پانچواں وعدہ ویعظم لہ اجرا ۔ تقویٰ کے ماتحت قدم اٹھانے والے کے لئے اس چوتھے وعدے پر ہی اکتفاء نہیں کی جاتی کہ اس کی پردہ پوشی کی جاتی ہے ۔ بلکہ اس کے لیئے پانچواں وعدہ یہ بھی ہے کہ چونکہ اس نے اصلاح معاشرہ کے لیئے تقویٰ کے ماتحت ایک ایسا قدم اٹھایا ہے جس سے اسلامی معاشرہ کو اخلاقی نقائص کی

مسموم ہوا ہے۔ بچانا مقصود ہے اس لئے اس مجاہدانہ اقدام پر وہ ایک بہت بڑے اجر کا بھی مستحق ہے۔ اگر وہ یہ قدم نہ اٹھاتا تو خطرہ تھا کہ اس سے کئی ایک خرابیاں اور بدیاں اسلامی خاندانوں میں پیدا ہو جاتیں اور پھر یہ وبا پھیل کر اسلامی معاشرہ کو مسموم بنا دیتی۔

واضح ہو کہ اسلام میں نکاح ایمان و اخلاق کی تکمیل کیلئے ہوتا ہے۔ مگر جب عورت ان مقاصد دینی میں خارج ہونے لگے یا اخلاقی معیار پر پوری نہ اتر سکے مثلاً فاحشہ ہو تو ایمانی غیرت کا تقاضا ہے کہ مرد اسے طلاق دے دے تا اس گھرانے کو اس کی سمیت سے محفوظ کر لیا جاوے۔ ؎

سر چشمہ شاید گرفتن بہ میل ÷ چو پُر شد نشاید گذشتن بہ پیل

آج مغربی ممالک کی فضا ان بدیوں اور بیحیائیوں سے اس قدر مسموم ہو چکی ہے کہ ان ممالک کے اکثر دلوں سے بدی کا احساس تک بھی مٹ چکا ہے۔ اگر ابتدا میں اس کا تدارک بر وقت کیا جاتا اور طلاق کو مورد اعتراض نہ بنایا جاتا تو اس وقت اصلاح ممکن تھی۔ جب قوموں میں اس قسم کی بدیاں اپنی انتہا کو پہونچ جاتی ہیں۔ تب اللہ تعالےٰ کا قہری ہاتھ محاسبہ کے لئے ان کی طرف بڑھ کر عذاب شدید میں انہیں مبتلا کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس انذاری وعید کا آگے آیت ۹ تا ۱۰ میں یوں ذکر فرمایا گیا۔ وکاین من قریۃ عتت عن امر ربها ورسله فحاسبنها حسابا شديدا وعذبنها عذابا نكرا۔ فذاقت وبال امرها وكان عاقبة امرها خسرا۔

سورۃ بنی اسرائیل کی لطیف تفسیر

(دستور الارتقاء)

جو ایک خاص مشیت الٰہی کے ماتحت لکھی گئی اور خاکسار کے قبول احمدیت اور روحانی انقلاب کا باعث بنی۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۱ء میں شائع ہو کر نایاب ہو چکا تھا۔ اب اسے دوبارہ شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ شائقین اگر اس کی خریداری کے متعلق مطلع فرما دیں تو جلد شائع کی جا سکتی ہے۔

تفسیر مذکور کے متعلق حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بزرگان سلسلہ کی آراء

۱۔ حضور اقدس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ کتاب کو بابرکت کرے۔ میں کتاب تو نہیں پڑھ سکا کہ کام کی زیادتی ہے۔ ہاں بعض حصے ریویو آف ریلیجنز (اردو) میں دیکھے ہیں۔ میرے نزدیک جس قدر حصہ میں نے دیکھا مفید معلوم ہوتا تھا۔"

۲۔ مفسر قرآن حکیم مفتی سلسلہ عالیہ احمدیہ حضرت مولانا مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ پرنسپل جامعہ احمدیہ فرماتے ہیں۔

"میں نے مولوی عبد اللطیف صاحب مدرس ہائی سکول خانپور ریاست

بہاولپور) کی تفسیر دستور الارتقاء تفسیر سورۃ الاسراء کو بغور پڑھا ہے۔ نہایت عمدہ کتاب ہے۔ تفسیر کے لحاظ سے تفسیر نویسی کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ ..... عمدہ حقائق و معارف کا ایک مجموعہ ہے۔ علمائے زمان کے خلاف اس کا طرز بیان نہایت عمدہ اور محققانہ ہے مجھے یہ کتاب پڑھ کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ اس کے مصنف علماء میں سے ہو کر پھر روشن خیال اور دنیا کے حالات سے واقف اور قوت بیانیہ رکھنے والے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ جو بھی اس کتاب کو پڑھے گا وہ اس کو پسند کرے گا۔"

۳۔ فاضل اجل حضرت مولانا مولوی غلام رسول صاحب راجیکی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں۔

"میں نے کتاب دستور الارتقاء کو کئی مقامات سے دیکھا۔ بوجہ عدیم الفرصتی ابھی تک بالاستیعاب دیکھنے سے قاصر رہا۔ لیکن جو جو مقامات میرے مطالعہ میں آتے ہیں اس کی بناء پر علی وجہ البصیرۃ کہہ سکتا ہوں کہ صاحب تصنیف کی شان مفسرانہ بالکل جدت کا رنگ رکھتی ہے۔ آپ کے ملکہ استنباط و استدلال اور آپ کی قوت مدرکہ نے جس روشنی میں سورۃ بنی اسرائیل کی تفسیر کا کام کیا ہے وہ فیوض احمدیہ اور علوم قرآنیہ کی بالکل معجزانہ مثال ہے۔ اس تفسیر نے مسئلہ معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو دستور الارتقاء کے عنوان میں ایسا واضح کر دیا ہے کہ جو قلوب حقائق شناس کے لئے یقیناً"

ایک نعمتِ عظمیٰ اور علوم روحانیہ کے پیاسوں کے لئے ایک جام کوثر ہے۔ میں نے دستور الارتقاء کو جس جس مقام سے بھی پڑھا مجھے وہاں سے ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تازہ روحانی برکات اور مواہب لدنیہ کے نئے افاضات کا نمونہ محسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ مصنف عزیز کو بہتر جزا دے۔ اور مزید توفیق سے ان کے بالکل موزون ذہن رسا کو اس طرف اور بھی توجہ نصیب ہو کہ وہ وقتاً فوقتاً کسی نہ کسی سورۃ کی تفسیر دستور الارتقاء کے نہج پر ترتیب دیتے رہیں۔ تفسیر کے لئے بھی خاص ملکہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ جوہر بھی ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔ پس تفسیر کتاب اللہ العزیز کا مقدس شغل بصورت حق و حکمت ایک بہترین خدمات قرآن سے ہے۔ وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔"

۴۔ حضرت مولانا مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"دستور الارتقاء جو سورۃ بنی اسرائیل کی لطیف تفسیر ہے ہمارے سلسلہ کے ایک عالم مولانا مولوی عبداللطیف صاحب عربی مدرس خانپور (ریاست بہاولپور) نے تصنیف فرمائی ہے۔ یہ ضخیم کتاب اپنے مطلب اور مضامین کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ ہماری جماعت کا ہر ایک اردو خواں دوست اس کا ایک دو بار خود مطالعہ کرے اور دوسرے غیر احمدی۔ ہندو۔ آریہ۔ عیسائی۔ برہمو۔ سکھ اصحاب کو بھی مطالعہ کے لئے دے۔ چونکہ یہ کتاب

ہر ایک مذہب اور ہر خیال کے انسان پر قرآن کریم اور اسلام
کی حقانیت اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کی صداقت کو واضح کرنے کے لئے ایک نہایت ہی
مفید تصنیف ہے۔ اس کتاب کو مصنف نے حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کے روحانی افاضہ سے لکھا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل
کے اہم مقامات مثل مقام محمود و معراج نبوی کی تفسیر رویا میں
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مصنف کو اس وقت فرمائی۔
جبکہ وہ غیر احمدی تھے۔ اس رویائے صادقہ کے بعد مولوی صاحب
احمدی ہو گئے اور پھر یہ کتاب لکھی جو سلسلہ کی صداقت کا
خاص نشان ہے۔ کتاب مذکور ایک دلکش اور عام فہم پیرایہ
میں لکھی گئی ہے اور ہر ایک طالب حق پر اسلام اور قرآن کی
فضیلت دوسرے تمام مذاہب و الہامی کتب پر ثابت کرتی
ہے۔ میرے ایک دوست بھی جنہوں نے اس تفسیر کا مطالعہ
کیا ہے۔ اس کتاب کے بڑے مداح ہیں اور ان کی رائے میں
بھی یہ کتاب ہر ایک عالم۔ مناظر۔ مفسر۔ مصنف۔ احمدی
و غیر احمدی و غیر مسلم کے لئے مفید ہے۔"

۵۔ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس رضی اللہ عنہ مبلغ بلاد عربیہ
و انگلستان فرماتے ہیں:۔

"دستور الارتقاء تفسیر سورۃ الاسراء مولوی عبداللطیف صاحب

(بھا دلپوری) کی تصنیف ہے جہاں تک میں نے اس کا مطالعہ
کیا ہے اسے نہایت لطیف تفسیر پایا ہے۔ آپ نے دیباچہ
میں اس تفسیر کے لکھنے کا باعث اپنی ایک رویاء قرار دیا ہے۔
جو غیر احمدی ہونے کی حالت میں آپ نے دیکھی تھی۔ اور وہی رویاء
آپ کے احمدی ہونے کا بھی باعث ہوئی۔ تفسیر نہایت دلکش
پیرایہ میں لکھی گئی ہے اور اس تفسیر میں قرآن مجید کی علمی خوبیوں
کے ذکر کرنے کے علاوہ اس خوبی کو نہایت مبرہن کر کے دکھایا
گیا ہے کہ قرآن مجید ایک مرتب اور منظوم کلام ہے اور
اس کی ہر ایک سورۃ ایک مستقل کتاب کا حکم رکھتی ہے جو کئی
بابوں پر مشتمل ہے۔ چنانچہ سورۃ اسراء کو آپ نے چھ بابوں
میں تقسیم کیا ہے۔ اس تفسیر کے چند صفحات پڑھنے سے ہی
معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تفسیر فی الواقع حضرت مسیح موعود علیہ
السلام کی قوت قدسیہ کا نتیجہ ہے۔ میں تمام علم دوست
احمدیوں سے اس بات کی توقع رکھتا ہوں کہ وہ ضرور اس
کتاب کا ایک ایک نسخہ خرید کر مؤلف کی حوصلہ افزائی کریں گے
اور اس میں بیان کردہ معارف سے بہرہ اندوز ہوں گے
اور اس کے مؤلف مولانا عبداللطیف صاحب سے یہ
درخواست کروں گا کہ وہ کم از کم اسی رنگ میں باقی دو سورتوں
یعنی سورۃ کہف اور سورۃ مریم کی بھی تفسیر لکھیں تا جس امر کی

طرف حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کے نوٹوں میں اشارہ پایا جاتا ہے وہ ہر کس و ناکس کو معلوم ہو جائے آپ فرماتے ہیں۔

"سورۃ بنی اسرائیل اور کہف اور مریم کے ربط کا لحاظ رکھو تو معلوم ہو کہ ابتداء اسلام سے اخیر تک جو کچھ گذرنے والا تھا سب مفصل بتا دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف دستور الارتقاء کی اس محنت کو قبول فرمائے اور اسی سلسلہ میں اگلی بقیہ دو سورتوں کی تفسیر کرنے کی بھی توفیق دے۔ آمین"

۲- حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ مبلغ امریکہ و انگلستان فرماتے ہیں کہ:۔

"دستور الارتقاء جو سورۃ بنی اسرائیل کی لطیف تفسیر ہے مولانا عبد اللطیف صاحب ذبہادلپوری کی فاضلانہ تصنیف ہے اور اپنے علمی لطائف کے باعث اس قابل ہے کہ ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ اس کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کے پڑھنے سے فاضل مصنف کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے۔ آپ نے اس تفسیر میں جا بجا روحانی فلسفہ کو عالمانہ اور معقولی رنگ میں پیش کیا ہے جس سے ایمان میں ترقی اور یقین میں زیادتی ہوتی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کی تفسیر کو چھ باب میں تقسیم کیا ہے۔ مقام محمود کی تفسیر اور معراج کی تشریح میں خاص نکات معرفت بیان کئے ہیں۔ توریت اور انجیل کی پیشگوئیاں

جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے پوری ہوئیں ان کو نہایت شرح وبسط سے بیان کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مخالفین کے اعتراضات کے جوابات بھی تفصیلاً بیان کئے گئے ہیں۔ میرے خیال میں یہ کتاب مجموعہ علوم مناظرہ ہے۔ میں مولوی صاحب کو اس تصنیف پر مبارکباد کہتا ہوں یہ کتاب اس قابل ہے کہ احباب خرید کے اپنے اپنے شہروں کے علماء کو پڑھنے کے لئے دیں۔

لکھائی چھپائی اعلیٰ ہے"

۱۷۔ محترم ناظر صاحب دعوت وتبلیغ صدر انجمن احمدیہ قادیان فرماتے ہیں۔

"تالیف قرآن کریم کی خدمت کا قابل قدر نمونہ ہے اور اس زمانہ کے علمی خزانے جو قرآنی علوم وحقائق کی تشریحات میں رونما ہو رہے ہیں دستور الارتقاء ان کی روشن مثال ہے"

(الفضل ۲ر فروری ۱۹۴۸ء)

ضیاء الاسلام پریس ربوہ

طالب دعاء مستری محمد لطیف مشین مین ربوہ